اخلاق محمد ﷺ

قرآن حکیم کے آئینے میں

﴿۶﴾

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفیؒ

ہجرت مدینے کی طرف

فتح مکہ کے ساتھ لات، ہبل اور عزیٰ کی خدائی کا دور ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ قبائلی عصبیتوں نے دم توڑ دیا۔ قریش کی سرکشی نے اسلام کی سربلندی کے سامنے سر جھکا دیا۔ عرب کے قبائل نے فتح مکہ کی تحریر میں اپنے مستقبل، اور آنے والے زمانے کے خدوخال کو پڑھ لیا۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ تبوک نے عالمی نقشے پر مستقبل میں اسلام کی بالادستی کا دیباچہ رقم کردیا۔ اس کے بعد ۹ھ میں اسلام کے دارالحکومت مدینہ منورہ میں قبائل عرب کے وفود کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ قبیلوں کے عمائد، سربرآوردہ افراد مدینے میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے آنے لگے۔

قبائل کے یہ وفد قبول اسلام کے لئے آرہے تھے لیکن منظر نامہ ایک دم تو نہیں بدل جاتا۔ دن کا اجالا پھیلنے سے پہلے آسمان، افق اور زمین میں کتنی تبدیلیاں تیزی کے ساتھ رونما ہوتی ہیں۔ رات کے تاریک ترین حصے کے بطن سے اجالا جنم لیتا ہے، افق کا منظر تبدیل ہونے لگتا ہے، صبح کا گمان گزرتا ہے اور پھر یہ گمان حقیقت میں بدلنے لگتا ہے۔ صبح کاذب صبح صادق میں بدلنے لگتی ہے، افق کے کناروں کا رنگ آہستہ آہستہ تبدیل ہونے لگتا ہے اور فضا میں یہ کیفیت خاصی دیر تک ٹھہرتی ہے اور تب سورج کی اولین کرنیں نمودار ہوتی ہیں۔ قبائل نے اسلام کے غلبے کو مان لیا تھا مگر دل کی فضا اور کیفیت سب آہستہ آہستہ بدلتی ہے۔ قبائلی نظام عرب کی زندگی کی بنیاد تھی، اجنبیوں کا بھی کسی نہ کسی قبیلے سے تعلق پیدا کرنا زندگی کے لیے لازم تھا اور قبیلوں میں مسابقت کا یہ عالم تھا کہ ہر اہم قبیلے کا بت جداگانہ تھا اور خصوصی اہمیت کا مالک تھا۔ ہر قبیلے کی زبان کا لہجہ جداگانہ تھا اور وہ اپنے لہجے کو فصیح ترین مانتے تھے اور ان پہلوؤں کو ان کے

خطیب اور شاعر اجاگر کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی یہی کیفیت تھی کہ اچھے مسلمان بھی بسا اوقات اپنے قبیلے اور اسلام کے تقاضوں اور مفادات کے درمیان آویزش کے موقعوں پر وقتی طور پر تذبذب کا شکار ہو جاتے۔ عام الوفود میں جو قبیلے مدینہ منورہ آئے ان میں سے کئی اپنے شاعروں اور خطیبوں کے ساتھ آئے کہ وہ ان کے امتیازات اور برتری کو پیش کریں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی مفاخرت ان کی زندگی سے ایک دم رخصت نہیں ہوگئی تھی۔ ان امتیازات کو ختم کرنے میں مدینہ منورہ کی عام فضا اور صحابہ کرام کے رہن سہن نے بڑا حصہ لیا۔ ان قبیلوں نے دیکھا کہ اس اسلامی معاشرے میں قریش کے زعما عام انصاریوں کی صف میں کھڑے تھے اور تو اور مدینہ منورہ کے معاشرے میں ابوبکر، عمر، سعد بن عبادہ جیسے مہاجر اور انصار، بلال حبشی اور سلمان فارسی کے ہم رتبہ اور ہم مرتبہ تھے۔ وہاں اگر امتیاز تھا تو علم وتقویٰ کی بنیادوں پر تھا۔ اسی طرح اب مفاخرت کی بنیاد قبیلہ نہیں تھا بلکہ اسلام کی خدمت تھی۔ اگر فرق کیا جاتا تو اسلام سے تعلق اور اسلام کی خدمت کی بنا پر۔ اہل بدر، بیعت رضوان والے زیادہ محترم تھے مگر اس احترام کا تعلق لوگوں کے رویئے سے تھا، سماجی رعایت اور اعتبار سے نہیں۔

وفود کی مسلسل آمد کا سلسلہ فتح مکہ کے بعد شروع ہوا، لیکن کئی قبیلوں کے وفد اس سے پہلے مدینہ منورہ آ چکے تھے، ان کا تعلق تجارت پیشہ قبائل سے تھا اور یہ اس تجارتی شاہراہ سے گزرتے رہتے تھے جو مدینہ منورہ کے قریب سے ہو کر گزرتی تھی۔ قبیلۂ دوس کا وفد ۶ھ کے اواخر یا ۷ھ کے اوائل میں مدینہ منورہ آیا تھا۔ اس قبیلے کے سردار طفیل بن عمرو دوسی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے قبیلے میں مسلسل تبلیغِ اسلام کی، مگر قبیلے والوں نے ان کی دعوت پر مثبت ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ اس بات سے عرب کے قبائلی نظام میں سرداروں کی اہمیت کے ساتھ ساتھ قبیلے کے عام افراد کی اہمیت اور آزادئ رائے کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے اور اپنی تبلیغی کوششوں کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور اپنی ناکامی کے پیش نظر ہادئ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے کامیابی کی دعا کی التجا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کی دعا قبول فرمائی اور قبیلۂ دوس کے دل اسلام کے لیے کھول دیے۔ قبیلہ دوس کا ایک بڑا وفد ۷ھ میں فتح خیبر کے موقع پر سرکار ختمی مرتبت کی خدمت میں حاضر ہوا۔

عام الوفود میں کم وبیش ساٹھ ستر وفد مدینہ منورہ میں آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان وفود سے مسجد نبوی میں ملاقات فرماتے تھے اور آج بھی مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ کا ایک ستون ان وفود کی آمد کا گواہ ہے۔ ان وفدوں کے احوال وکوائف مختلف ہوتے، بعض کے دل دماغ اسلام قبول کرنے پر پوری طرح

آمادہ تھے۔ ایسے بھی قبائل تھے جو اسلام لانے کے لیے سودے بازی bargaining کا منصوبہ بنا کر آئے تھے اور اسلام قبول کرنے سے پہلے زیادہ سے زیادہ اپنی شرائط منوانا چاہتے تھے۔ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ایمان اپنے جان و مال کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دینے کا نام ہے اور اس تجارت میں نفع ایمان لانے والے کا ہے کہ اسے نتیجے کے طور پر جنت کا انعام عطا ہوتا ہے، ہمیشہ کی خوش گوار زندگی سے بڑھ کر اور کیا نفع حاصل ہوسکتا ہے؟ وفدِ ثقیف کی ذہنی کیفیات کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا پورا اندازہ تھا۔ ان کی سخت دلی اور ضد پر ان کی تاریخ گواہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ان کے ذہن اسلام کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور صرف ان کی زبان ہی نہیں بلکہ ان کے دل بھی اسلام کی تصدیق کریں کیونکہ

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس وفد کے قیام کا بندوبست مسجد نبوی کے ایک گوشے میں کیا گیا تاکہ یہ مسلمانوں کے روز و شب کو دیکھ سکیں۔ اس وفد نے دیکھا کہ مسلمان دن میں پانچ مرتبہ کس تنظیم سے نماز ادا کرتے ہیں اور کس طرح درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کس طرح ان کی راتیں اپنے رب کے سامنے قیام و رکوع و سجود میں گزرتی ہیں، کس طرح خشیتِ الٰہی سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے ہیں۔ کس نرمی، دل سوزی اور خلوص سے یہ ایک دوسرے سے معاملہ کرتے ہیں اور کس طرح ان کی زندگی کے ہر پہلو پر اسلام کی مہر ثبت ہے۔ کئی دنوں کے بعد امیرِ وفد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایک معاہدہ امن سے نوازیں۔ اس معاہدے کی رو سے انہیں شراب پینے، سودی کاروبار کرنے اور زنا کی اجازت دی جائے، نماز کا حکم ان سے ساقط کیا جائے، انہیں اپنے بت توڑنے پر مجبور نہ کیا جائے اور اللہ کے ساتھ ساتھ لات کی خدائی بھی برقرار رکھی جائے۔ ثقیف والے میدان جنگ میں تو ہار چکے تھے لیکن ان کے ذہنوں میں اپنے اندازِ حیات کو باقی رکھنے کا بت زندہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کی کوئی شرط قبول نہیں تھی۔ بارگاہِ حق صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شرط قبول نہیں کی۔ آخر ثقیف والوں نے آپس میں مشاورت کی اور آخر وہ اپنی شرائط سے دست بردار ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوئے۔

ثقیف والوں کی کیفیت مختصراً بیان کی گئی۔ کئی وفد والے تو دل کی گہرائیوں سے اسلام کی صداقت کو تسلیم کر کے حصارِ دین میں داخل ہو گئے اور کچھ قبیلوں کے وفد یا ان کے کچھ رکن دو دلی کا شکار تھے۔ بعض طالع آزما مستقبل میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا اندازہ کر رہے تھے اور آنے والے دور میں اقتدار میں

شرکت کی خواہش ان کے دلوں میں کروٹ لے رہی تھی۔ بنی حنیفہ کے سترہ رکنی وفد میں مسیلمہ بن ثمامہ بن کبیر بھی شامل تھا جو تاریخ میں اپنے نسب سے محروم ہو کر مسیلمہ کذاب کے نام سے معروف ہوا۔ یہ اپنے وفد کے دوسرے ارکان کے ساتھ اسلام قبول کرنے کے لیے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔ اس کی سرکشی اس کی ابلیسی طبیعت کی غماز تھی۔ ابلیس کی سرکشی کا سبب اس کا تکبر اور خود پرستی تھی۔ یہی خود پرستی مسیلمہ کا راستہ بھی روک رہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع اور اخلاق کریمانہ کو اس جاہ طلب شخص نے کمزوری پر محمول کیا اور اس نے مطالبہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی ریاست کی حکمرانی اس کے سپرد کی جائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ مطالبہ تسلیم کرلیں۔ مسیلمہ کے اس مطالبے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں کھجور کی ایک شاخ تھی۔ آپ نے مسیلمہ سے کہا کہ اگر تم اس شاخ کا ایک ٹکڑا بھی مجھ سے مطالبے کے طور پر مانگو گے تو تمہیں یہ بھی نہیں ملے گا۔ تمہاری سرکشی کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ہے کہ تم اسلام سے روگردانی کرو گے تو اللہ تمہیں توڑ کر رکھ دے گا۔ مسیلمہ کذاب نے مدینے سے واپسی پر یہ دعویٰ کیا کہ رب العزت نے اسے کارِ نبوت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شریک بنایا ہے۔ اس نے اقرارِ نبوت محمدی کے ساتھ ساتھ اپنی نبوت کے اقرار کو اسلام کا حصہ قرار دیا۔ انتہا تو یہ ہے کہ اس نے شریکِ نبوت کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے قاصد بھی بھیجے اور انجام کار عہدِ صدیق اکبر میں وہ یمامہ میں قتل کر دیا گیا اور ارتداد وسرکشی کا یہ فتنہ فرو ہوا۔

مسیلمہ کذاب کے معاملے میں عبرت اور سبق کے کئی پہلو ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں مسیلمہ سے گفتگو کرتے ہوئے کھجور کی شاخ تھی اور آپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے یہ بتا دیا کہ دنیاوی حکومت کی حیثیت کھجور کی معمولی شاخ سے زیادہ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے توڑ کر رکھ دے گا اور یہ کام اتنا معمولی ہوگا کہ جیسے شاخ تمر کا ٹوٹ جانا۔ مسیلمہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی نے موت کے گھاٹ اتارا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وحشی جب بھی حضرت حمزہؓ کی شہادت کا واقعہ یاد کرتے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ جانتے تھے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد حالتِ کفر کے تمام گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے مگر وہ اپنے جرم کو بہت شدید جانتے تھے۔ حضرت حمزہ کی وفات پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرب کی شدت بھی ان پر ایمان لانے کے بعد آشکار ہو گئی تھی۔ ان کی تمنا تھی کہ اپنے اس ''جرم'' کے کفارے کا بارگاہِ ایزدی سے انہیں کوئی موقع عطا ہو۔ مسیلمہ کے قتل سے انہیں سکونِ قلب حاصل ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے یوں ان کے جرم کی معافی کا اشارہ عطا کر دیا ہے۔

عام الوفود میں جو وفد اسلامی مملکتِ مدینہ کے سربراہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ مدینہ کے قرب وجوار اور عرب کے مشرکین کے وفود تک محدود نہ تھے بلکہ اسلام کے غلبے سے خاصے دور کے قبائل اور علاقے متاثر ہو رہے تھے۔ ان علاقوں میں نجران کا عیسائی علاقہ بھی شامل تھا۔ نجران کا علاقہ تہتر بستیوں پر مشتمل تھا۔ یہ عیسائی علاقہ تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی مسلمانوں کا واسطہ عیسائیوں سے پڑا تھا اور اب اسلام کی بالادستی کے اولین دور میں بھی عیسائیوں سے رابطہ قائم ہوا۔ ابتدائی دور میں نجاشی نے حسن سلوک کا بے مثال مظاہرہ کیا اور خود بھی مسلمان ہوگیا۔ عام الوفود میں عیسائی وفد سے مباہلے کی نوبت آتے آتے رہ گئی۔ عیسائی وحی اور رسالت کے تصور سے خوب واقف تھے اسی لئے انہوں نے آخر الامر مباہلے سے گریز کیا، اور کچھ ہی عرصے کے بعد نجران کے کم وبیش ایک لاکھ عیسائی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ اس وفد کے واقعات کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

وفدِ نجران ساٹھ افراد پر مشتمل تھا اور اس وفد میں نجران کی آبادی کے ہر طبقے کے نمائندے شامل تھے۔ نجران کے انتظامی امور کا سربراہ عبدالمسیح، نجران کے معاشرتی اداروں کا سربراہ ایہم اور نجران کے کلیسا کا سربراہ ابن علقمہ، یوں یہ اعلیٰ اختیارات کا وفد تھا۔ اس سے اس سفارت کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفدِ نجران نے سلیقے اور تہذیب سے گفتگو کی۔ کئی معاملات کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبول اسلام کی دعوت دی کہ یہ آپ کا فرض تھا۔ وفدِ نجران نے اثبات میں اس دعوت کا جواب دینے کے بجائے آپ سے حضرت مسیح ابنِ مریم کے بارے میں سوال کیا۔ آپ حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ عیسائی وفد تفصیل سے جاننا چاہتا تھا۔ اشارۂ الٰہی کے تحت آپ اس وقت خاموش رہے اور آپ پر اسی دن جو آیات نازل ہوئیں ان میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں رب العزت نے وفدِ نجران کا جواب دیا اور اللہ تعالیٰ کے معبودِ برحق اور غالب وحکیم ہونے کے ساتھ یہ بھی فرمادیا گیا کہ جو کوئی اس حقیقت کو تسلیم نہ کرے وہ مفسد ہے۔ اللہ کی عبادت اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانے کو قرآن مجید نے ''عیسائیت'' اور اسلام کے درمیان انصاف کی بات قرار دیا اور اسی کی طرف عیسائیوں کو دعوت دی۔ ان حقائق کو بیان کرنے کے ساتھ ان آیات میں سے ایک آیت میں ان کو دعوت مباہلہ دی گئی تاکہ حق وباطل کے درمیان فیصلہ ہوجائے۔ اگر فریق مخالف دلیل کو نہ مانے تو فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا ہی انسب ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ O
اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ O فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَ

كَ مِنَ الْعِلمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَاوَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ O اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّااللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ O فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ O قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَO(۱)

اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی طرح ہے جسے مٹی سے تخلیق کیا گیا یہ کہہ کر کہ ''ہوجا'' پس وہ ہوگیا (کن فیکون)۔ تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے پس شک کرنے والوں میں نہ ہوجانا۔ پس جو شخص آپ کے پاس اس علم اور حقیقت کے آجانے کے بعد بھی آپ سے جھگڑا کرے تو آپ اسے کہہ دیں کہ ہم تم اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں اور اپنی جانوں (اپنے آپ) کو بلالیں اور پھر عاجزی کے ساتھ اللہ سے التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت (کی دعا) کریں۔ یقیناً یہی سچی بات ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی غالب اور صاحبِ حکمت ہے اور اگر پھر بھی قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ مفسدوں سے خوب واقف ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب اس انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کے ساتھ (عبادت اور اطاعت میں) شریک نہ کریں۔ اور نہ اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے ہی کو رب بنالیں، پس اگر (ان حقائق سے) اہل کتاب منہ موڑ لیں تو تم کہہ دو ''گواہ رہنا، کہ ہم مسلمان (اور اہل ایمان) ہیں۔

کس کس طرح سے رب کائنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اور آپ کے ذریعے مکارمِ اخلاق کی تکمیل فرمائی اور ہر شعبۂ حیات کے لئے آپ کو بہترین نمونہ بنایا۔ رول ماڈل کا تصور بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور مسلمانوں کو عطا فرمایا ہے۔ آپ کا اخلاق انسانوں کے لیے مثالیہ ہے، اس کی نقل، تقلید اور پیروی ہی کی کوشش انسانی ذات اور تکمیل کا وسیلہ ہے اگرچہ اس کو تمام وکمال اپنانا ممکن نہیں۔ مثالئے کا مقصد ہی تکمیل کی آرزو اور اس کے لیے جدوجہد ہے۔

دعوت اور مکالمے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ہدایت کے مطابق وہ شائستگی عطا فرمائی

جس تک پہنچنے کی ادنیٰ کوشش بھی ''مہذب'' اور ''متمدن'' انسان نے نہیں کی۔ سرسید کا مضمون بحث وتکرار کا ابتدائی حصہ آج کے تہذیب یافتہ انسانوں کی مجالس اور مذاکروں کی تصویر پیش کرتا ہے۔ بحث کا مقصد حقیقت تک پہنچنا نہیں ہے اپنے موقف کو دوسروں پر ٹھونسنا ہے۔ اپنے الفاظ کے ذریعے فریقین ایک دوسرے کی کس طرح کردار کشی کرتے ہیں وہ معلوم بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ نکتہ ہمیں عطا کیا کہ مشترک پہلوؤں کو اہمیت دی جائے۔ اہل کتاب سے کہا گیا کہ اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے درمیان برابر ہے۔ پھر مباہلے کے اخلاقی پہلو پر غور کیجئے کہ دونوں فریق ایک دوسرے سے الجھنے کی جگہ اللہ سے رجوع کریں اور اس سے التجا کریں اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے کی جگہ جھوٹے پر لعنت کریں اور سچ جھوٹ کا فیصلہ رب العزت پر چھوڑ دیں۔ یہ اخلاقیات کی اعلیٰ ترین سطح ہے کہ بحث اور مکالمے کا مقصد کسی فریق کی برتری نہ ہو بلکہ صداقت کا فروغ ہو اور پھر مباہلے کا طریق کار ایسا ہے کہ سچ کو نفس، ذات اور رشتوں پر فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو لے کر مباہلے کے لئے آ گئے اور ان کے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ اب وفدِ نجران پر یہ بات آشکار ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے مباہلے پر آمادہ ہیں۔ وفد کے سربراہ نے ایک دوسرے سے مشاورت کی اور انہوں نے یہ طے کیا کہ اگر محمد اللہ کے رسول ہیں تو مباہلے کے بعد ہماری نسلیں تباہ ہو جائیں گی، اور ایک نبی کی آمد کا تذکرہ تو انجیل میں بھی تھا۔ اس پر وہ مباہلے سے باز رہے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے بارے میں آپ نرمی سے فیصلہ فرمادیں اور آپ کا فیصلہ ہمیں قبول ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اہلِ نجران، سال میں دو مرتبہ کپڑے کے ایک ایک ہزار جوڑے اور مجموعی طور پر پندرہ سو کلو چاندی دیں گے۔ اسلامی نظامِ اخلاق فرائض وحقوق کی ادائیگی کا نام ہے۔ سربراہِ مملکت کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے فرائض کا ہر لحہ خیال رہتا تھا اور انہوں نے مسلمانوں کے حقوق، احسانِ کاملہ کے ساتھ ادا فرمائے، اہلِ نجران کے ساتھ آپ نے پورا انصاف فرمایا۔ جزیے کی ادائیگی کے عوض انہیں حفاظت کا ذمہ عطا کیا گیا اور مذہب کے بارے میں مکمل آزادی دی گئی۔ ان کے گرجے عبادت کے لیے آباد رہے بلکہ ان کے لیے ان کے قوانین بھی جاری وساری رہے۔ ان شرائط پر مشتمل ایک دستاویز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجران کو عطا کی۔ عہدِ نبوت اور عہدِ خلافت راشدہ کا ہر لحہ اس حقیقت کا گواہ ہے کہ اسلام جبر اور طاقت کے ذریعہ نہیں پھیلا۔ مسلمان ہر حال میں اس فرمانِ الٰہی کے تابع رہے کہ لا اکراہ فی الدین۔ (۲)

اس معاہدے کے بعد صلح کے مال کی وصولی کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امین امت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو نجران بھیجا۔ اس صلح کے بعد اہلِ نجران اسلام اور مسلمانوں سے قریب تر ہو گئے۔ مسلمانوں کے اخلاق اور اس صلح نامے کی منصفی نے ان کے قلوب اسلام کے لیے کھول دیے۔ نجران میں تیزی کے ساتھ اسلام پھیلنے لگا۔ وفدِ نجران کے تین سربراہوں میں سے دو مسلمان ہو گئے اور جلد ہی مسلمانوں کی تعداد اتنی ہوگئی کہ صدقات کی وصولی کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نجران بھیجے گئے۔

آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ ثقیف اور بنی حنیفہ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا رویہ رہا، کس طرح آپ نے ان کی سودے بازی کو مسترد کیا، کس طرح حق اور باطل کے درمیان امتیاز کو جلی تر فرمایا اور کس طرح اہلِ نجران کے ساتھ انصاف اور فیاضی کا معاملہ فرمایا۔ عام الوفود میں جو ساٹھ سے زیادہ وفد مدینہ منورہ آئے ان سب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ ان کی کیفیات کے مطابق رہا۔ آپ نے ہر ایک کے ساتھ اعلیٰ ترین اخلاق کا سلوک برتا۔ ''برتاؤ'' سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر ایک کے مسائل آپ نے ان کے سوالات اور ضروریات کے پیشِ نظر حل فرمائے۔ ان میں بعض قبائل آنے سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے اور اسلامی عبادات وشعائر میں پختہ ہو چکے تھے۔ انہی قبائل کے افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو سوالات پیش کئے وہ عمل، ایمان وعقائد کی بلند تر سطح سے تعلق رکھتے تھے۔ کچھ ایسے قبائل تھے جو ایمان لا چکے تھے اور نماز، روزہ ادا کر رہے تھے لیکن اسلامی طرزِ حیات کے بارے میں ان کے ذہن میں سوالات تھے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے۔ ان میں سے بعض قبائل اپنے مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں اور آپ کی امداد کے طالب تھے۔ ان تمام وفدوں کے نام حدیث ومغازی اور سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ مگر یہ تمام تفاصیل ہمارے دائرے اور مقصدِ تالیف سے متعلق نہیں ہیں، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر واقعہ، ہر واقعے کی جزئیات ہمارے لئے راہِ ہدایت کو روشن تر کرتی ہیں۔ ہم چند وفود اور ان کے حالات وسوالات کو مختصراً پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ تفصیلات اخلاقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض گوشوں کو سامنے لاتی ہیں۔

وفدِ عبدالقیس کے علاقے اور مدینہ منورہ کے درمیان مشرکین آباد تھے۔ اس لئے عبدالقیس والے حرمت والے مہینوں میں سفر کر سکتے تھے۔ یہ لوگ ایمان لا چکے تھے، اسلام کی وہ تمام باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنا چاہتے تھے جو انہیں جنت کا مستحق بنا سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں

کی خیر خواہی اور نجات کے حریص تھے اور عبدالقیس کے مسلمان جنت، نجات اور خیر کے حریص تھے اور ان تمام باتوں کا سرچشمہ حاملِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے معانی اور مفہوم بتاتا ہوں اور ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔ ایمان لانا یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے اور عبادت اس کے احکام کی کامل اطاعت کا نام ہے اور توحیدِ الٰہی کے ساتھ سچے دل سے اس بات کی گواہی ایمان کا جز ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ میں تمہیں نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیتا ہوں اور اس بات کا حکم کہ غنیمت میں سے خُمس ادا کرو۔ ان ہدایات میں اسلام کی روح سمٹ کر آ گئی ہے وہ روح جو افراد کی ذات کا حصہ بن کر معاشرے میں جاری وساری ہو جاتی ہے، اسلامی معاشرے کے تمام ادارے انہیں عبادات کے مشہور اور حسّی مظاہر ہیں، نماز کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے، زکوٰۃ اور روزے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور زکوٰۃ اسلامی معاشرے میں گردشِ زر کا وسیلہ ہے جس سے قلوب کو طہارت اور معاشرے کو آسودگی وخوش حالی ملتی ہے۔

اس وفد والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ اس نقیر کے بارے میں جانتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ تم لوگ درختوں کے بڑے تنوں کو کھود کر اس میں پانی اور کھجوریں ڈال دیتے ہو۔ یوں نقیر بن جاتی ہے جس کے نشے میں مدہوش ہو کر تم آپس میں تلوار چلاتے ہو اور اپنے چچا زاد بھائی کو بھی زخمی کر دیتے ہو۔ وفدِ عبدالقیس میں سے ایک شخص کو ایسا ہی زخم لگا تھا۔ حضور کے منہ سے یہ بات سن کر اسے نقیر کی حرمت کا اندازہ ہو گیا۔ اور دوسرے ارکانِ وفد کو پتہ چل گیا کہ نقیر، خمر میں شامل ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس حد تک عرب کے مختلف علاقوں کے حالات سے با خبر تھے۔ مصلح کے لیے اصلاح کے عمل کی تکمیل کے لیے یہ علم ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات اور ارشادات میں حج کا ذکر نہیں کیونکہ جب یہ وفد مدینۂ منورہ آیا تو اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔

۹ھ ہی میں بنوسکون کا ایک ذیلی قبیلہ (بنو تجیب) بھی مدینۂ منورہ آیا۔ یہ لوگ بھی عبدالقیس کی طرح ایمان لا چکے تھے اور ارکانِ اسلام پر کاربند تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے زکوٰۃ کی رقم بھی لائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ زکوٰۃ واپس لے جاؤ۔ اس پر تمہارے قبیلے کے غربا ومساکین کا حق ہے۔ وفد نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول! ان کا حق ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچا ہم وہ لے کر آئے ہیں۔ یہ سن کر ایک نازک موقع پر اپنا سارا اثاثہ اللہ اور

رسول کی خدمت میں پیش کرنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس وفد نے صدقات کے سلسلے میں ایک اعلیٰ روایت کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ پہلا قبیلہ تھا جو مدینۃ الرسول کے مساکین کے لئے زکوٰۃ لے کر آیا تھا یہ واقعہ تفقہ فی الدین کی مثال ہے۔ زکوٰۃ پر پہلا حق تو مقامی مساکین کا ہے، اور پھر جو مال بچے اسے دوسرے علاقوں کے مستحق افراد کو دیا جاسکتا ہے۔ پھر مدینہ کے مستحقین کی خدمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا پہلو بھی موجود ہے۔

پھر بنو تجیب کے ارکانِ وفد نے اپنے قیام مدینہ کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ حکیم کا درس لیا اور آپ کی احادیث کے معانی سیکھے۔ اسلام سے اس وفد کے لگاؤ، شعائرِ اسلام سے ان کی وابستگی اور علمی ذوق وتجسس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ علم وعمل کے باہمی رشتے کو معلمِ اعظم اور ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون جان سکتا تھا۔ اگرچہ یہ بات ایک خاص سیاق وسباق میں کہی گئی ہے مگر اسے قرآن حکیم کا مستقل حکم سمجھنا چاہئے کہ

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ ○ (۳)

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر (اہلِ علم) سے پوچھ لو (اور دریافت کرلو)۔

اور بنو تجیب والے تو اس سے علم حاصل کررہے تھے جس کا سینہ وحی الٰہی کا امانت دار تھا اور جو اس امانت کو برداشت کرنے ہی کی طاقت نہ رکھتا تھا بلکہ جس نے انسانوں تک اس امانت کو اس طرح پہنچایا کہ یہ امانت قیامت تک کے لیے انسانیت کی سب سے قیمتی میراث بن گئی۔

اس پر لاکھوں سلام اور کروڑوں درود

جب بنو تجیب کا وفد اپنے وطن واپس جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں دوسرے وفود کی نسبت زیادہ قیمتی تحفے دیئے جائیں۔ ان کے اس اعزاز کا سبب دین سے ان کا گہرا شغف اور رویہ تھا۔ تحائف عطا کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ سب کو تحفے مل گئے، یا کوئی باقی ہے؟

اہلِ وفد نے بتایا کہ ایک لڑکے کو ہم اپنی قیام گاہ میں چھوڑ آئے ہیں۔ اس نوجوان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ دنیا میری غرض اور طلب نہیں ہے۔ آپ اپنے رب سے میرے لیے دعا فرمائیں کہ وہ میری مغفرت فرمائے اور میرے دل کو غنی بنادے۔ دنیا سے اس کی بے نیازی اور عاقبت کی فکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور خوشی عطا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں دعا فرمائی اور اسے بھی دوسروں کے برابر تحائف عطا کئے۔

دعائیں اس کی طلبِ صادق کا انعام تھیں اور تحائف میں وہ دوسروں کے برابر اور ان کا شریک تھا۔ فیاضی اور عدل اور فرو کے ظرف اور حال کے مطابق التفات، ان اخلاقی محاسن کا یہ اجتماع ہے اور یہ توازن اللہ کے رسول کے علاوہ کسی سے ظہور میں نہیں آسکتا تھا۔

دوسرے وفود کے ارکان نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقائدِ دین اور عبادات کے علاوہ معاشرت اور عام زندگی کے معاملات میں بھی ہدایات حاصل کیں۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کا پیغام کس طرح ذہنوں اور زندگی کو متاثر کررہا تھا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام رسمی معنوں میں عبادات اور عقائد کا نظام نہیں ہے بلکہ یہ بود و باش، رہن سہن اور روزمرہ کی زندگی کو بھی اپنے سانچے میں ڈھالتا ہے اور زندگی کے چھوٹے معاملات بھی انسان کی عبادات، عقائد اور اندازِ فکر ہی کا حصہ ہیں اور ان سے بے تعلق نہیں۔

ان آنے والے وفود میں سے بعض نے اپنے علاقے کی ضرورتوں کے حل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعانت طلب کی یا آپ سے دعا کی درخواست کی۔ قبیلۂ ذی مرہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ان کا علاقہ قحط سالی کا شکار ہے، انسان اور جانور بھوکوں مر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بارش کی دعا کی اور جب یہ لوگ تحائف اور امدادی سامان لے کر اپنے وطن واپس لوٹے تو انہیں معلوم ہوا کہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاقے کے لیے دعا فرمائی تھی اسی دن بارانِ رحمت نے ان کی زمین کو جل تھل کردیا۔ زمین یا انسانوں اور دوسرے حیوانوں کو سیرابی کی دولت مل گئی۔ بالکل ایسا ہی معاملہ سلامان کے وفد کے ساتھ پیش آیا۔ ان کے علاقے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کی دعا کی اور رحمتِ باری تعالیٰ پانی کی بوندوں کی شکل میں ان پر نازل ہوئی۔

بنو عامر کے وفد نے آکر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہم مسائل معلوم کئے اور آپ سے درخواست کی کہ اسلام کے اہم احکام تحریری شکل میں عطا کئے جائیں تاکہ وہ واپس جاکر ان خطوط پر قبیلہ والوں کو اسلامی طرزِ حیات سے آگاہ کرسکیں۔ بنو عامر کے وفد نے مدینہ منورہ میں خاصے دن قیام کیا۔ ان کے قیام کا مقصد اسلام کے احکام کا علم حاصل کرنا اور قرآنِ حکیم کی تعلیم تھا ان لوگوں کو حضرت ابی بن کعب نے قرآن مجید پڑھایا تھا۔

وفود کے آنے اور مدینہ منورہ میں ان کے قیام سے جو نکات ہمارے سامنے آتے ہیں ان میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغام کے داعیٔ اکبر تھے، آپ نے انسانوں کو اپنے رب کے حکم سے صراطِ مستقیم کی طرف بلایا اور اس دعوت کے سلسلے میں تبشیر و تنذیر کا حق ادا کیا۔ ہر

وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مروت برتی لیکن دین کا کوئی مسئلہ پیدا ہوا تو آپ نے انتہائی استقامت کا اظہار فرمایا۔ بنوثقیف نے ارکانِ دین کو اپنی خواہشات کے تابع کرنا چاہا، بنوحنیفہ کے مسیلمہ نے نبوت میں شرکت کا مطالبہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ ان کے مطالبات کو رد کردیا اور کھجور کی ایک شاخ کو اشارہ اور علامت قرار دیتے ہوئے اسے ادنیٰ ترین رعایت دینے سے انکار فرمادیا۔ آپ کے رب نے آپ کو یقین دلا دیا تھا کہ آپ کا دین جو حق مطلق ہے تمام ادیان پر غالب آکر رہے گا۔

وفودِ عرب سے آپ کی ملاقاتیں، گفتگو اور ہدایات آپ کے فرضِ نبوت کی تکمیل کی اہم صورت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ربانی ہدایت اور حکم پر عمل کیا اور اس طرح جو عمل کرنے کا حق تھا۔ ان وفود نے اپنی آنکھوں سے آپ کے شب و روز کا مشاہدہ کیا۔ اپنے اصحاب ذی وقار کے ساتھ آپ کی شفقت، مہمانوں کے ساتھ آپ کا فیاضانہ برتاؤ، دین کی تعلیم کے وقت آپ کا اندازِ بیان، وضاحتیں اور قول و عمل کی انتہائی مطابقت یوں تمام وفود پر اسلامی احکام کی عملیت و افادیت واضح ہوگئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان وفود کے دینی اور دنیوی مسائل سنتے اور ان کے حل پیش فرماتے۔ یوں آپ نے ہر دور کے مسلمانوں پر یہ بات واضح فرمادی تھی کہ اسلام میں دین اور دنیا کی تفریق نہیں ہے بلکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ مسائل انسانی زندگی کی طرح متنوع تھے۔ کئی لوگوں نے اپنے خواب بیان کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خوابوں کی تعبیر بیان کی۔ اسلام میں خوابوں کی بڑی اہمیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے ذریعے رب العزت نے انسان کو خوابوں کی اہمیت سے آگاہ کیا اور آج تو نفسیات میں خواب کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ حدیث میں خواب کی تعبیر کو ایک مستقل باب کی حیثیت حاصل ہے۔ انسانی اخلاق کے باب میں نفسِ انسانی کی تفہیم حد درجہ اہم ہے اور خوابِ نفسِ انسانی کی گرہ کشائی میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی شعور ہی کو نہیں بلکہ تحت الشعور اور لاشعور کو بھی تہذیب اخلاق کے دائرے میں شامل کردیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وفود کی معاشرتی مسائل کے سلسلے میں بھی رہنمائی فرمائی ان مسائل کے بغیر اجتماعی اخلاق کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، کسی وفد کے ارکان نے دریافت کیا مہمانی کتنے دنوں کے لئے ہوتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مہمان کو تین دن رہنا چاہئے اور اس سے زیادہ میزبان پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے یہ ضیافت اور میزبانی اسلام کے نظامِ اخلاق میں بڑی اہمیت رکھتی ہے مسلمان

معاشروں میں مہمان کو باعث برکت اور اللہ کا انعام سمجھا جاتا ہے اسی لئے مہمان کو میزبان کی حدود اور معمولات کا خیال رکھنا چاہئے۔ مہمان کا زیادہ طویل قیام میزبان کے وسائل پر بوجھ بنتا ہے اور اس کے معمولات میں اور دیگر کاموں میں حارج ہوتا ہے۔ صرف تعلیم کی غرض سے زیادہ عرصے تک قیام کیا جاسکتا ہے لیکن اس طرح کے میزبان پر بوجھ نہ بنے اور اگر ہو سکے تو مہمان میزبان کی اجازت سے اس کے اخراجات اور کاموں میں شرکت کرسکتا ہے۔ حقیقی اخلاق کی بنیاد انسانی حدود، ضرورتوں اور مسائل کو سامنے رکھ کر دلوں میں رکھی جاسکتی ہے

اسلامی عبادات، بنیادی عقائد اور معاشرتی مسائل سے متعلق تعلیمات کے ساتھ ساتھ ان وفود کو فقہی امور سے بھی آگاہی عطا کی گئی، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم احسانوں میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذہنِ مسلم کو تفکر کا خوگر اور عادی بنا دیا۔ قرآن مجید اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مسائل پر غور وفکر نے فقہ اسلامی کو پروان چڑھایا۔ فقہ عہدِ رسالت کے بعد کی پیداوار نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی۔ کسی وفد سے قریش کی مختلف شاخوں کے نسب پر گفتگو ہوئی اور اس سے یہ شرعی نکتہ واضح ہو کر سامنے آیا کہ کسی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنا نسب غلط بیان کرے۔ نسب کا صحیح بیان معاشرے کو پاکیزگی اور تقویٰ عطا کرنے کا ایک سبب ہے۔ غلط نسب بیان کرنے کا دائرہ اپنی ماں پر تہمت لگانے تک پھیل سکتا ہے۔

کسی وفد کا کوئی رکن یا بعض ارکان ریشم کے لباس پہن کر آئے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لئے ریشم کی حرمت کا مسئلہ بیان فرمایا تو ریشمی لباس تلف کر دیئے گئے اور جس سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ حرام مال کو تلف کیا جاسکتا ہے۔ ان وفود میں عورتیں نہیں آئی تھیں اسی لئے ریشمی لباس کو عورتوں کو دینے کے بارے میں نہیں سوچا گیا، لیکن وہ لباس عورتوں کے لیے مناسب بھی نہیں تھے۔ اسلام سے وابستہ ہونے والے یہ افراد اپنی زندگی کے ہر شعبے کو اسلام کے رنگ میں رنگ دینے کے بارے میں بہت حریص تھے۔ ان کا اسلام کے بارے میں وہ رویہ نہیں تھا جو آج ہمارا ہے کہ جہاں ہمیں کوئی زحمت نہ ہو تو وہاں اسلام سر آنکھوں پر، اور جہاں اسلام ہم سے طرزِ حیات میں کسی تبدیلی کا مطالبہ کرے تو ہم اس سے انحراف کرلیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب

عام الوفود کا اہم ترین دینی اور معاشرتی حکم

فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ کے قرب وجوار کے دیہاتی (اعراب) تواتر کے ساتھ شہر رسول آنے لگے۔ مسلمانوں کو دیکھنے، ان سے کچھ سیکھنے اور داعیۂ باطن کے تحت اسلام قبول کرنے کے لئے۔ ۹ھ میں وفود کے پیہم آنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ کچھ وفد ۵ھ میں بھی آئے اور ۱۰ھ میں۔ یہ تربیت یافتہ لوگ نہیں تھے۔ ان کے طرز رہائش اور اندازِ زیست میں وہ نرمی، میانہ روی، سلیقہ اور پاکیزگی نہیں تھی جو اسلام کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے ان کے ساتھیوں میں پیدا کردی تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ، بیٹھتے تو باادب ہوکر، اٹھتے تو سلیقے کے ساتھ، مجلس میں ایک دوسرے سے کلام کرتے تو آہستہ آوازیں اور باہمی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خطاب کرتے تو ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوتیں اور وہ اس تحمل سے بیٹھتے کہ نامناسب جسمانی حرکات، بار بار پہلو بدلنے، جسم کو کھجلانے وغیرہ سے پرہیز کرتے اور ان کو دیکھ کر گمان گزرتا کہ جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوں۔

اس کے برعکس اعرابیوں میں یہ احتیاط نہیں تھی۔ یہ بھی ہوتا کہ وہ مسجدِ نبوی میں بے احتیاطی سے تھوک دیتے اور صحابۂ کرام ان کو سختی سے ٹوکنے کی بجائے تھوک کو صاف کردیتے۔ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی کو کئی بار صاف کیا۔ صحابہ کرام جمائی لیتے تو منہ پر ہاتھ کر لیتے، کھانسی میں اگر بلغم آتا تو اسے کسی کپڑے سے پونچھتے اور کپڑے کو تہ کر کے اگلی مرتبہ کے لیے خشک حصہ کو اوپر کر لیتے۔ آنے والے دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے آداب سے بھی بے خبر تھے، کبھی کبھی بات کو کاٹ دیتے یا خطبے کے درمیان کھڑے ہوکر سوال کرتے اور شفقتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے اثرات بھی نظر نہ آتے۔

۹ ہجری میں بنی تمیم کا وفد مدینہ منورہ آیا۔ بعض ارکانِ وفد نے حجراتِ امہات المومنین کے سامنے جمع ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آوازیں دینی شروع کردیں۔ یہ نہ ہوا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرتے یا کسی کے ذریعے اپنی آمد کی اطلاع کرتے۔ رب العزت کو یہ بات ناگوار ہوئی اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَایَعْقِلُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (۴)

(اے رسول) جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہوں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اگر وہ آپ کے (حجروں سے) باہر نکلنے تک صبر کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ اللہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راحت اور آرام کا رب العزت کو جس طرح اور جتنا خیال تھا اور انسانوں کی کوتاہیوں کے لئے معافی اور درگزر کی جو وسعت تھی، یہ دونوں باتیں ان آیات میں سمٹ آئی ہیں۔ بے عقلی کا اندازہ تو اسی سے کیا جاسکتا ہے، کہ اپنے وقت کے زیادہ سے زیادہ حصے کو امت کی بہبود اور تعلیم وہدایت میں صرف کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان اعرابیوں نے یہ تک نہ سوچا کہ انہیں کچھ وقت آرام کرنے اور اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ رہنے کا بھی حق ہے۔ اگر کچھ سوالات جواب طلب تھے یا کوئی اور ضرورت تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے باہر تشریف لانے کا انتظار مناسب تھا۔

اور یہ کسی ایک مرتبہ کا واقعہ نہیں ہے۔ یہ اعرابی اکثر وقت بے وقت آجاتے اور آپ سے سوالات پوچھنے لگتے۔ رؤف ورحیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دل شکنی کے خیال سے انہیں روکا ٹوکا نہیں، لیکن اللہ جل جلالہٗ کو حق بات کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اعرابیوں کو اس بات پر ٹوکا اور اسے ایمان کی ایک اہم اور بنیادی بات سے وابستہ کردیا، اور وہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی حبط اعمال کا سبب بن سکتی ہے۔ سورۃ الحجرات کی پہلی دو آیات اسی بارے میں ہیں۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں پیش قدمی عہدِ رسالت سے متعلق کوئی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک دائمی معاملہ ہے۔ اپنے خیال اور رائے کو اللہ اور رسول کے فیصلے پر مقدم رکھنا مومنوں کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔ یہ بغاوت ہے اور اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے مقابل اپنی آواز کو بلند رکھا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نفس گم کردگی ہی ایمان کا تقاضا ہے۔ وہ دو ابتدائی آیات یہ ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ O یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ O (۵)

اے اہل ایمان! اللہ اور رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو (اور اس کا تقویٰ اختیار کرو)۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نبی سے اونچی آواز میں گفتگو نہ کرو جس طرح تم ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حبط (اور غارت) ہوجائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

قرآنِ حکیم نے دوسرے مقامات پر بھی یہ بات واضح فرمادی ہے کہ جن باتوں میں اللہ اور رسول

ﷺ کا فیصلہ موجود ہو تو اس میں فیصلہ کرنے یا اس فیصلے کو بدلنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ یہ بات انفرادی اور اجتماعی تمام امور و معاملات کا احاطہ کر لیتی ہے۔ اور عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس حکم میں اندازِ گفتگو، لہجے کی نرمی اور آہستگی یہ سب باتیں شامل تھیں۔

اس اصولی گفتگو کے بعد ان اعرابیوں کا ذکر ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرات سے باہر آنے کا انتظار نہیں کرتے تھے اور بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آوازیں دینے لگتے تھے۔

مدینۂ منورہ کے قرب و جوار کے اعرابی اور ملک کے تمام علاقوں کے وفود دارالاسلام میں آ رہے تھے۔ یوں ان کی عملی تربیت کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا اور اسلامی اسلوب حیات کے تمام پہلو ان کے سامنے آ رہے تھے اور اسلام مختلف قبائل کے درمیان فکر و نظر اور عمل کی ہم آہنگی پیدا کر رہا تھا۔ کسی بھی انسانی معاشرے میں جو مسائل بالخصوص سماجی اور اخلاقی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں وہ بھی سامنے آ رہے تھے اور آہستہ آہستہ یہ سب لوگ مدینہ منورہ کے اسلامی مزاج کے مطابق اپنے اخلاق کو ڈھال رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے نو واردوں میں تجسس بھی تھا جو مناسب حدود سے تجاوز کر جاتا، مختلف گروپوں اور قبائل کے درمیان عہدِ جاہلیت کی رقابتیں اور تعصبات کسی حد تک اس وقت بھی موجود تھے جو رنجش اور غیبت کی صورت میں نمودار ہوتے اور ابھی تفاخر کی عادت پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی۔ ان سب باتوں کے بدلنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق، آپ کے ارشادات اور انصار و مہاجرین کا طرزِ عمل اپنا کردار ادا کر رہا تھا۔

اب اسلام کی عالمگیریت کا دور شروع ہو چکا تھا۔ وہ وقت آ گیا تھا جب نئے علاقے اور ملک اسلام کے زیرِ نگیں آنے والے تھے، اسی لئے نئے مسلمانوں کے لیے ان مسائل کے بارے میں ربانی ہدایات کی ضرورت تھی۔ اور بہت سے اخلاقی اور معاشرتی ضوابط کی ضرورت تو ہر دور کے لیے ناگزیر ہے، اسی لئے اس بدلتے ہوئے منظر نامے میں سورۃ الحجرات کی وہ آیتیں نازل ہوئیں جن کی اہمیت ابدی اور لازمانی ہے۔ ہر ملک اور ہر دور میں ہر انسانی معاشرے کے بہت سے اخلاقی اور سماجی مسائل ایک سے رہیں گے اور ان کے لیے رہنما اصول لازم ہیں۔ خاص طور پر اس دین اور نظامِ حیات میں جو ہر دور اور ہر ملک کے لیے ہے تاکہ وہ انسانی معاشرہ وجود میں آ سکے جو ملکوں، ریاستوں اور قومیتوں کے اختلاف کے باوصف انسان کی وحدت کا مظہر ہو۔

سورۃ الحجرات میں انفرادی اخلاق اور اجتماعی اخلاق کے مسائل اور مسلمانوں کے اخلاقی رویے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ مدنی دورِ رسالت کے آخری زمانے کی نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے

اور اس میں اس زمانے کے پیدا ہونے والے مسائل اور مستقبل قریب میں رونما ہونے والے مسائل کے بارے میں اخلاقی تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔ ہم پہلے خود انفرادی اخلاق کے معاملات کو پیش کرنے کی سعادت کر رہے ہیں کیونکہ افراد کا رویہ اجتماع اور اجتماعی اخلاق پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بیشتر انسانی معاشرے مخلوط معاشرے ہوتے ہیں۔ متوازن معاشروں میں مختلف اجزا مل کر وحدت بن جاتے ہیں، لیکن ایک ذہنی مغائیرت مختلف معاشروں میں موجود ہوتی ہے جیسے برطانیہ عظمیٰ کے معاشرے میں اسکاٹ لینڈ کے لوگوں کے بخل اور بعض باتوں کا تمسخر۔ اسی طرح ہمارے ہاں کسی خطے کے باشندوں کا مذاق اڑانا۔ یہ باتیں عام طور پر دل لگی اور دل چسپی کے لئے کی جاتی ہیں مگر کبھی کبھی بڑھ کر فساد کا سبب بن جاتی ہیں۔ قرآن حکیم نے اس رویے سے اہلِ ایمان کو روکا ہے۔ کیونکہ یہ اکرامِ مومن کے خلاف ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O(۶)

اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے کو طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو ایمان لانے کے بعد 'فسق' برا نام ہے اور جو لوگ اس سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔

کسی کا مذاق اڑانا ''بے ضرر سی بات'' نہیں ہے بلکہ اس سے دلوں میں اور معاشرے میں رخنہ پیدا ہوتا ہے۔ آپس میں دوریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مذاق اڑانے والا اپنے آپ کو بہتر اور بالاتر سمجھتا ہے۔ اس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ دوسرے کو حقیر اور کم تر جانتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں اس بات کو ''کبر'' کہا جائے گا اور کبر، کبائر میں شامل ہے۔ حدیث کے مطابق جس میں کبر اور ریا ہو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی کیونکہ یہ دونوں باتیں کفرِ خفی میں شامل ہیں۔ یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ عورتوں اور مردوں میں ذکر الگ الگ کیوں کیا گیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ مرد اپنی محفلوں میں اور عورتیں اپنی مجلسوں میں تمسخر کو عام نہ کریں، کیونکہ تمسخر عام طور پر مجلسی دلچسپی کے لیے کیا جاتا ہے۔ لطیف نکتہ یہ ہے کہ ہماری مجلسیں قولِ حسن اور قولِ معروف کو معاشرے میں عام کریں اور لغو باتوں سے احتراز کیا جائے۔

اس آیت میں ایک دوسرے پر طعن کرنے اور الزام لگانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ یہ بات بہت عام ہے کہ کسی کے خاندان پر طعن کیا جائے یا کسی ایسی غلطی اور قصور پر جو ماضی میں کیا گیا ہو اور جس پر

کرنے والے نے ندامت کا اظہار کر دیا ہو اور توبہ کر لی ہو۔ اسی طرح برے نام یا لقب سے کسی کو پکارنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ کوئی ایسا نام جو آدمی کو پسند نہ آئے اور برا لگے۔ آج ہماری اخلاقی گراوٹ کا یہ عالم ہے کہ لوگوں کے ناموں کے ساتھ لنگڑا، لولا، گنجا، ٹنڈا جیسے القاب عام ہیں اور اخبارات میں بھی لوگوں کے نام ان القاب کے بغیر نہیں لکھے جاتے اور کہا جاتا ہے کہ یہ محض شناخت کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ ذہنی کجی کی انتہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت تاریخ انسانیت کی سب سے عظیم درس گاہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس درس گاہ کے کتنے ہی مقامات اور کیمپس تھے۔ مسجدِ نبوی اور صُفہ۔ اس کے ساتھ ساتھ امہات المومنین کے حجرے خواتین، بچوں، اعزۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور مہمانوں کی زندہ اور عملی درس گاہوں کا درجہ رکھتے تھے جہاں یہ سب آدابِ معاشرت، گفتگو اور تبادلۂ خیالات کی زبان اور لہجے اور صفائے قلب ونظر کے درس لیتے اور عملی امتحانوں سے گزرتے، کبھی مدینۂ منورہ کے باغوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفریح کے اوقات درس گاہ بن جاتے۔ یہ درس گاہ قید مقامی سے بلند تر تھی۔ انسانیت اور اخلاقِ عالیہ کا ''رول ماڈل'' معلم بھی تھا، درس گاہ بھی تھا اور ''رفیق'' بھی تھا۔ اس درس گاہ کے طلبہ اخلاقِ حسنہ کے معلم بنے اور آج تک ان کے واقعات یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

اس درس گاہ، اس دبستانِ اخلاق کے معلم کی نظر صرف معاشرتی اور رسمی formal اخلاق پر نہیں تھی بلکہ وہ تو قلبِ انسانی کو اخلاق کا مرکز اور گہوارہ بنا رہا تھا۔ اس نے تجسس اور غیبت کے ساتھ ساتھ ربانی ہدایات کے مطابق ظن وگمان کی خرابیوں سے اخلاقِ انسانی کے دامن کو صاف کیا۔ یہ معلمِ اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام ربِ کائنات کا سب سے عزیز اور چہیتا طالب علم تھا۔ اپنے بھائیوں (انبیائے ماسبق) کی طرح وہ بھی انسانوں کے اخلاق کی تطہیر پر مامور کیا گیا تھا، مگر اس فرق کے ساتھ کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین کے دوسرے شعبوں کی طرح اخلاق کی تکمیل بھی فرما دی۔ نظری طور پر بھی اور عملی طور پر بھی۔ قرآنِ مجید کی ایک آیت نے معاشرتی واجتماعی اخلاقی معائب کے ساتھ قلبِ انسانی کے ایک اخلاقی گناہ کو کس طرح سمیٹ لیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ان کا تدارک فرمایا، معلم اور اس کے طالب علموں کی زندگی اس پر گواہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ○ (۷)

اے ایمان لانے والو! بہت گمان کرنے سے اجتناب برتو کہ بعض ظن اور گمان گناہ ہوتے

ہیں اور لوگوں کے معاملات میں تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ دیکھو تم خود اس سے کراہیت محسوس کرتے ہو (اور گھن کھاتے ہو)۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

اس آیت میں بہت زیادہ ظن وگمان سے کام لینے کو منع کیا گیا ہے۔ سیاق وسباق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں ظن سے مراد بدگمانی اور بدظنی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو خیر خواہی قرار دیا ہے۔ الدین النصیحۃ (۸) اس خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کسی قوی شہادت کے بغیر ایک دوسرے کے بارے میں اچھا گمان رکھیں۔ بدگمانی شک کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور اس سے زندگی میں تلخیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک چھوٹا سا ذاتی واقعہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جب کوئی تیس سال پہلے ہم ترکی گئے تو استنبول میں خیر مقدمی کلمات کے بعد ہمارے میزبان نے پوچھا کہ کتنے دن ٹھہرنے کا پروگرام ہے اور کیا واپسی کی تاریخ کا ٹکٹ پر اندراج کرالیا ہے۔ اس سوال سے میری جو ذہنی کیفیت ہوسکتی تھی قارئین اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ میزبان کو میرے چہرے سے میری اذیت کا اندازہ ہوگیا۔ انہوں نے فوراً جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا کہ یہ ہمارے ان رشتہ داروں کی فہرست ہے جو ہمارے ساتھ ساتھ اپنے پاکستانی بھائی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہر دن ایک وقت کا کھانا یا ناشتہ تو ہم گھر پر کرینگے اور باقی کھانے ان رشتے داروں کے گھر کھانے پڑیں گے۔ اس فہرست کو دیکھئے۔ کم سے کم آپ کو آٹھ دن یہاں ٹھہرنا ہوگا اگر آپ کو زیادہ زحمت نہ ہو۔ میں نے اس لئے دریافت کیا کہ اگر کم دنوں کے قیام کا ارادہ ہے تو بشرط گنجائش گھر جانے سے پہلے ٹکٹ میں تبدیلی کرالیں اور بعد کی کسی تاریخ کی بکنگ ہو جائے، ورنہ ہوائی کمپنیوں کے ضابطوں اور قواعد کی وجہ سے ممکن نہ ہوگا۔ میں اپنی بدگمانی پر شرمندہ ہوا اور ٹکٹ پر واپسی کی تاریخ بڑھوائی گئی۔ اس طرح بدگمانی، گناہ کی حد تک پہنچ سکتی ہے۔ مثلاً کسی کی آنکھوں کو دیکھ کر یہ حکم لگانا کہ یہ شرابی ہے حالانکہ آنکھوں کی سرخی یا پپوٹوں کا بھاری ہونا کسی بیماری کے سبب ہوسکتا ہے یا کسی شخص کو کسی خاتون کے ساتھ دیکھ کر ان پر غلط کاری کا الزام لگا دینا۔ اسی طرح تجسس کی بنیاد بھی بدگمانی ہوسکتی ہے۔ بدظنی کی بنا پر دوسرے کے معاملات کا کھوج لگانا شرعاً اور اخلاقاً معیوب ہے اور شریعتِ محمدی کی بہت سی دفعات کی اساس اخلاق ہے۔ تجسس کی بنیاد پر آدمی بہت سے غیر اخلاقی کام کرتا ہے۔ دوسروں کی باتیں سننے کی کوشش، کہیں جا کر گھر میں جھانکنے کی کوشش، دوسروں کے خط، پرائیویٹ کاغذات یا ڈائری پڑھنا، اسلام آدمی کی ذاتی زندگی اور Privacy کا جس حد درجہ احترام کیا گیا ہے اس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا

ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا کہ جو مسلمانوں کی کمزوریاں ڈھونڈنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو فاش کر کے اور اسے رسوا کر کے رہے گا۔ ایک دوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں۔

لا یستر عبدعبداً فی الدنیا الاستره الله یوم القیامة(۹)

کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو کسی (دوسرے) بندۂ خدا کی عیب پوشی اس دنیا میں کرے مگر یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی عیب پوشی نہ فرمائے۔

اسلامی معاشرے کا اخلاقی مزاج ایسا ہے کہ اپنے گناہوں کا اعلان کرنے والے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں فرمائے گا۔ یہ کیسی نادانی ہے کہ جس عیب اور گناہ کی پردہ پوشی رب جلیل نے فرمائی انسان خود اسے فاش اور مشتہر کرے۔ یہ اسلامی معاشرے میں فحش کی اشاعت کا ایک ذریعہ ہے۔

گمان اور تجسس کے بعد غیبت کا ذکر کیا گیا ہے جو شدید اور کبیرہ گناہ ہے۔ غیبت کی مثال مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے دی گئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زبان کے گناہ انسان کو ہلکے معلوم ہوتے ہیں حالانکہ حفظ لسان کے ذریعے آدمی بہت سے گناہوں سے بچ سکتا ہے۔ جھوٹ، غیبت، چغلی، بہتان، فحش گوئی، افواہ طرازی، مبالغہ، سچ اور جھوٹ کو ملانا۔ جھوٹے وعدے کرنا جو ہمارے سیاسی لیڈروں اور جماعتوں کا مشغلہ ہے۔ ہم نے گناہ کو بس شراب نوشی، زنا اور لحمِ خنزیر تک محدود کر دیا ہے۔ یہ سہل پسندی، عاقبت سے بے خوفی، دین سے دوری کی علامت ہے۔ حفظِ لسان اور حفظِ عصمت کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے اور اس کے نتیجہ میں آپ نے جنت کی ضمانت دی ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من یضمن لی ما بین لحیه و ما بین رجلیه اضمن له الجنة (۱۰)

جو مجھے اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کی ضمانت دے میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

غیبت دراصل آدمی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو موجود نہ ہو وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کو مومن کا آئینہ قرار دیا ہے۔ اس تمثیل میں غیبت کی ممانعت کس حسن سے آ گئی ہے۔ غیبت کرنے والوں کو اس قبیح فعل سے روکا جائے تو وہ بالعموم یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم یہ بات اس کی موجودگی میں کہہ سکتے ہیں یا یہ کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بالکل سچ ہے۔ معلمِ اعظم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے تمام عذروں کی پیش بندی کرتے ہوئے اس معاملے کو بہت صاف اور واضح کر دیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ اللہ ورسولہٗ اعلم۔ اس کا مکمل علم تو اللہ کو اور اس کے رسول کو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی (کسی مسلمان) کی ایسی بات کا ذکر جو اسے ناگوار ہو۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہو وہ بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بات اس میں موجود ہے وہ کہو گے تو یہ غیبت ہے اور جو اس میں موجود نہیں وہ کہو گے تو یہ بہتان ہے۔ (۱۱)

غیبت اور بیہودہ (لغو) باتیں کہنا اور کرنا ہی گناہ نہیں بلکہ معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کے سننے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ O (۱۲)

اور وہ جب کوئی لغو اور بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے تم پر سلامتی ہو، ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

لغو کی قرآنی اصطلاح بہت وسیع ہے اس میں کفار کے استہزا اور مسلمانوں کے ساتھ تمسخر سے لے کر غیبت، بہتان اور فضول باتیں اور فضول کام سب ہی شامل ہیں اور سلام علیکم، کنارہ کشی کا اعلان ہے، نہ کہ لغو بات کہنے پر سلامتی کا اظہار۔ یہ اعلان کہ ہمارا راستہ الگ ہے اور تمہارا راستہ الگ۔

اگر کسی کی غیبت کی جا رہی ہو اور کوئی شخص اپنے اس بھائی کی عزت کی مدافعت کرے اور اس غیبت کی تکذیب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ ترمذی میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من رد عن عرض اخيه رد الله عن وجهه النار يوم القيامة (۱۳)

جو اپنے بھائی کی حمایت کرتے ہوئے اس کی غیبت کو رد کر دے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے (جہنم کی) آگ سے دور رکھے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا معاشرہ قائم فرمایا جس کے افراد کے دلوں میں ایک

دوسرے کی خیر خواہی اور محبت تھی اور ہونٹوں پر دعائیں اور عزت کے کلمے، جہاں ہر شخص کی عزت اور آبرو محفوظ تھی، جہاں ایک بھائی دوسرے بھائی کی آبرو کا محافظ تھا، جہاں کی فضاؤں میں نیکیوں کی خوشبو مہکتی تھی اور سعادتوں کے اجالوں سے ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی اور اس معاشرے کے افراد کی طرح وہ معاشرہ بھی ہمارے لئے ایک مثالیے کا درجہ رکھتا ہے۔

اسلامی اخلاقیات کی بنیادی صفت اس کی عملیت اور انسانوں کے لیے افادیت ہے۔ مخصوص حالات میں غیبت کی اجازت ہے اگر مقصود لوگوں کی بہبود اور کوئی بڑی نیکی ہو۔ مظلوم کو ظالم کی غیبت کا حق حاصل ہے تاکہ لوگوں کو اس ظلم کا علم ہو سکے اور وہ اس کو دور کرا سکیں، لیکن مظلوم جو کچھ بیان کرے اس میں جھوٹ اور مبالغہ نہ ہو اور بدکلامی کا شائبہ تک نہ ہو، اسی طرح شادی بیاہ کے معاملے میں کسی فریق کو دھوکے اور ممکنہ برائیوں اور نقصانات سے بچانے کے لیے ایسی حقیقت اس کے سامنے پیش کی جائے جو دوسرے فریق کے بارے میں ہو، تو یہ بھی جائز ہے۔

تجسس برے ناموں سے کسی کو پکارنا اور غیبت، یہ سب باتیں اور گناہ انفرادی ہوتے ہوئے بھی اجتماعی اثرات اور مضرات رکھتے ہیں۔ اسی طرح جس طرح کسی ایک گھر سے نکلنے والی شدید بدبو آس پاس کی فضا کو متاثر کرتی ہے یا کسی جلتی ہوئی عمارت کا دھواں ماحول پر چھا جاتا ہے اور سانس لینا بھی مشکل ہو جاتا ہے، مگر کسی معاشرے میں دو گروہوں کا ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو جانا، پورے معاشرے کے لیے سنگین خطرہ بن جاتا ہے اور سب کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس جھگڑے اور فساد کے ذمہ دار دونوں گروہ ہوں۔ کوئی نسلی تعصب یا ایک دوسرے پر برتری اور غلبے کی خواہش اس کا سبب ہو ایسی صورت میں دونوں گروہوں سے بے زاری اور برأت معاشرے کے دوسرے عناصر پر لازم ہے۔ ان میں سے کسی فریق کا ساتھ نہ دیا جائے اور اگر ممکن ہو تو دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ معاشرے میں امن اور صلح وصفائی کی فضا پھر سے قائم ہو سکے، لیکن اگر اس فتنے اور فساد کا ذمہ دار ایک گروہ ہے تو معاشرے کے غیر جانبدار عناصر کو زیادتی کرنے والے گروہ کو سمجھانا چاہئے اور اگر وہ نہ مانے اور فساد پر آمادہ رہے تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۱۴)

اور اگر مومنوں کے دو گروہ باہمی قتل وقتال کریں تو ان کے درمیان صلح کرادو پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کے ساتھ زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ (اللہ کے حکم کی طرف) لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو۔ اور انصاف کرو، بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے ساتھ تعلقات ٹھیک رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔

مومنوں کے درمیان لڑائی کوئی اچھنبے کی بات نہیں مگر یہ باہمی جنگ معاشرے کا مستقل حصہ نہیں۔ کبھی تو کسی مسئلے پر اچانک جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور اکثر منافق اور دشمن ایسے حالات پیدا کرتے ہیں۔ ایک غزوے کے موقع پر منافقوں نے ایسے حالات پیدا کردیئے کہ مہاجرین اور انصار میں باہمی لڑائی کے امکانات حقیقت بننے سے قریب ہوگئے تھے، لیکن اللہ اور رسول کے فرمودات کے مطابق اکثر غیر جانب دار مسلمان ایسے گروہوں میں صلح کرادیتے ہیں۔ یہ اسلامی اخلاق کا جز ہے کہ مسلمانوں کی غالب غیر جانب دار اکثریت ایسے حالات میں تماشائی بن کر نہیں رہ سکتی، اور وہ دونوں گروہوں کو اللہ اور رسول کی طرف بلاتی ہے اور اسلام تو صلح کا دین ہے۔ اسلام کا مقصود مرکز بیت اللہ ہے اور اس کے بارے میں ارشاد ہے کہ جو اس میں داخل ہوا امن پا گیا۔

صلح جوئی میں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا لازم ہے اور ظالم ومظلوم میں امتیاز ضروری ہے اگر ظالم گروہ ظلم وزیادتی اور فساد کو نہ روکے تو دوسرے مسلمانوں کو اس سے جنگ کرنا دینی فریضہ ہے اور جنگ اس وقت تک کی جائے کہ ظالم ظلم سے باز آجائے۔ ایسی جنگ کا مقصد باغیوں کو فساد سے روکنا ہوگا نہ کہ ان سے انتقام لینا۔ کوشش یہی کی جائے گی کہ باغی اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں اور ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہیں۔ بھائی تو ایک دوسرے کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ اور خیر خواہی کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ ایک مسلمان کے ہاتھوں دوسرے مسلمان کی جان آبرو اور مال محفوظ رہے گا۔ اس مفہوم کی احادیث بہت زیادہ ہیں کیونکہ اس اخوت کے بغیر اسلامی معاشرہ نہ وجود میں آسکتا ہے نہ قائم رہ سکتا ہے۔

صلح، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور اخلاقی نظام میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ازدواجی تعلقات میں صلح سے لے کر مسلمانوں کے درمیان صلح اور دوسری قوموں کے ساتھ خوشگوار تعلقات صلح کے بغیر کوئی انسانی سماج اپنے مقاصد پورے نہیں کرسکتا اور نہ ایسا ماحول پیدا ہوسکتا ہے۔ کہ انسان خوشی کے ساتھ زندگی گزار سکیں اور ان کی توانائیاں، زندگی کو حسین اور خوش گوار بنا سکیں۔

اسی صلح کے حصول اور قیام کے لیے ظن، تجسس اور غیبت کو جرم (گناہ) انفرادی سطح پر قرار دیا گیا ہے۔ یہی گناہ پھیلتے پھیلتے اجتماعی سطح پر فساد اور باہمی جنگ کا سبب بنتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی روشنی میں اس حقیقت کو انسانوں پر اپنے عمل اور اخلاق سے واضح کر دیا کہ اخوت کے بغیر انسان رشتۂ اخوت میں منسلک نہیں ہو سکتے۔ یہ اخلاقی معائب اور سماجی جرم و گناہ انسانوں کو تقسیم کرتے رہیں گے۔ آج بھی انسانیت قومیت کے قید خانے میں اسیر ہو کر انسانی وحدت کے تصور کی نفی رکھتی ہے۔ ان اخلاقی مصائب کے نقصان اور صلح کی بنیادوں کے ذکر کے بعد قرآن حکیم نے مسلمانوں کو نہیں بلکہ انسان کو مخاطب کرتے ہوئے وحدت اور اتحاد کا پیغام دیا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری انسانیت کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے۔ وہ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ انسانیت کے سارے دکھوں کے چارہ ساز۔ انسان کو قوموں اور برادریوں کی تنگنائے سے آزاد کرا کر ایک وحدت میں ڈھالنے والے۔ مگر وحدت کسی اساس کے بغیر وجود میں کیسے آسکتی تھی؟ اس انسانی وحدت کی اساس توحید ہے۔ خالق کی توحید مخلوق کو ایک وحدت بناتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (۱۵)

اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور یوں تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت اور برگزیدہ وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی (خدا ترس اور پرہیز گار) ہے یقیناً اللہ ہی علیم و خبیر ہے (سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا)

یہ مختصر سی آیت وحدتِ آدم کا منشور اور اس کا نسخہ ہے۔ اور اس وحدت کے عناصر کا بیان ہے۔ انسان کی تخلیق اس کی وحدت کی بنیاد ہے۔ یہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ ان کی پیدائش میں کوئی تفاوت نہیں کہ کوئی اونچا اور کوئی نیچا۔ یوں نسل پرستی اور پیدائشی برتری کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ انسان کی تعداد اور خطوں کی توسیع کے ساتھ رنگ اور زبان کے وہ اختلافات پیدا ہو گئے جو کتنی ہی جنگوں اور انسان کی تفریق کا سبب بنے۔ ان اختلافات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں قرار دیا اور قبائل کو تعارف کا ذریعہ نہ کہ امتیاز و تفوق کا وسیلہ۔ انسانی تاریخ اس بات کی شہادت ہے کہ ان حقائق سے منہ موڑ کر انسان نے دکھوں، برادر کشی، جنگوں کو جنم دیا اور آج دنیا کئی آتش فشانوں کے دہانے پر کھڑی ہے۔ کیا ان آتش فشانوں کی نشان دہی ضروری ہے؟ امریکی استبداد، اسرائیلی جارحیت اور بھارتی سامراج ان میں سے چند ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق سے امن اور اخلاق کا جو گلستان انسان کے لیے کھلایا تھا انسان اسے خود ہی ویران بنا رہا ہے۔ کیونکہ اقوام عالم کو اپنی زندگی کے لئے اسوۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا ہی پڑے گا۔ عام الوفود کے بعد حجۃ الوداع نے آفاقی اندازِ فکر، طرزِ حیات اور اخلاق کے تمام پہلوؤں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اوراقِ کائنات اور مقدرِ انسانی پر ثبت کر دیا۔ واقعات کی یہ ترتیت بھی کیسی معانی آفریں ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع، آفاقی منشور اخلاق وحیاتِ انسانی

عالم گیر اور آفاقی نظامِ حیات واخلاق کی تکمیل

اس کے اعلان کے لیے ابدی، آفاقی پلیٹ فارم حجۃ الوداع

اپنی نبوت کے ابتدائی بارہ برسوں میں رسولِ آخریں، داعی الی اللہ ابداً ابداً، سراجِ منیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جماعت کی تشکیل فرمائی جس کے استقامت شجاعت اور زہد واتقا کی مثال اس زمین اور اس زمین پر پھیلے ہوئے آسمان کے ثابت وسیار اور نور پیکر قدسیانِ فلک مقام نے اپنے لاکھوں برسوں کے مشاہدے میں نہیں دیکھی تھی۔ پھر ہجرت کے بعد آپ نے اپنے دس سال سے کچھ زیادہ قیام مدینہ میں اپنے اخلاق کی بنا پر ایک معاشرہ مرتب فرمایا۔ ایک ایسی ریاست قائم کی جس کی اساس معاہدۂ عمرانی پر تھی اور جس کے عناصر ترکیبی میں امن، امن کے قیام اور بقا کے لئے ناگزیر جنگیں، انسانی زندگی کے ہر تقاضے سے عہدہ برآ ہونے والا اخلاقی نظام، مساوات، ہمہ جہتی عدل، ہر نوعیت کی غلامی کا خاتمہ زیادہ نمایاں تھے۔ فتح مکہ شرک کی جگہ توحید کے اقتدار اور زمین گیری کا اعلان تھی۔ یوں کارِ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل ہر ذہن اور آنکھ پر روشن ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی تکمیل فرمائی، معاملاتِ انفرادی واجتماعی کے ہر گوشے کو روشن کیا، عبادات کا باب تکمیل کے قریب قریب پہنچ گیا اور آپ کے شب وروز کی تقلید عبادت کے ہر مفہوم کو آشکار کرنے لگی، مگر ابھی اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ایسا تھا جو انسانوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور نظام کا سب سے ہمہ گیر اور آفاقی گیر مشہود ادارہ بننے والا تھا۔

حج ۹ھ میں فرض ہوا۔ عبادات میں نماز شروع ہی سے مسلمانوں پر فرض رہی۔ یہ عبادت اسلام میں مسلمان کی اولین شناخت کا درجہ رکھتی ہے اور اسلامی نظامِ اخلاق وحیات کا اشاریہ ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ نماز کی جماعت انسان کی مساوات کو مجسم کرتی ہے۔ اور ہر آنکھ دیکھتی ہے کہ جماعت صلوٰۃ میں آقا اور

غلام، عرب اور عجم سب ہم رتبہ ہوتے ہیں بلکہ امامت کے لیے تقویٰ، کردار، علم اور اخلاق ہی معیار ٹھہرتے ہیں اور حج اس مساوات کا عالمی مظاہرہ ہے۔ یہاں تو لباس کی یکسانیت اس مساوات کو اور بھی مشہود بنا دیتی ہے۔ کالے گورے پیلے انسان ایک دوسرے کے ہم صف نظر آتے ہیں۔ جماعت اور نماز کی شرائط میں یہ شرط بہت اہم ہے کہ سارے مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں اور صف میں کوئی رخنہ نہ ہو یہ محض تنظیم کی بات نہیں بلکہ مساوات کی تکمیل کی نفسیاتی کیفیت اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اسلام کے نظامِ اخلاق کو یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو برتر سمجھتے ہوئے دوسرے سے ''ذرا'' دور رہنے کی کوشش کرے۔

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ انسانی مساوات اور حقوق کے منشور کی بنیادی صورت قانونی اور آئینی ہے جبکہ اسلام میں مساوات کی بنیاد اخلاقی ہے۔ مساوات کا تصور جو ایک اخلاقی وصف بن کر آدمی کے رگ و پے میں سرایت کر جائے اور اس کی ''تکمیل'' اور ذات کا حصہ بن جائے۔

۹ ہجری تک اسلام غالب نظام بن گیا تھا اور وہ وقت آ گیا تھا کہ اس نظام کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والی اور مزاحم قوتوں کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔ کبھی کفر کی طاقتوں نے مسلمانوں کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ پہلے مسلمانوں کی ہجرت حبشہ اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی ہجرت مدینہ۔ اب کفر پسپا ہونے کے بعد بھی سازشوں سے مکمل طور پر باز نہیں آیا تھا اور اسلامی نظام کے غلبے کے لیے ضروری تھا کہ دارالاسلام اس کی سازشوں سے محفوظ و مامون بنا دیا جائے لیکن اسلام کا اخلاقی مزاج اس کا متقاضی تھا کہ جن مشرکوں سے امن کا معاہدہ تھا اس سے امان کی برأت ختم کرنے سے پہلے انہیں اطلاع دی جائے اور اس سے بھی بڑھ کر انہیں وقت اور موقع دیا جائے کہ وہ اپنے لیے جائے پناہ اور محفوظ ٹھکانا تلاش کر لیں۔ ۹ھ میں جب مسلمان حضرت ابوبکر صدیق کی امامت میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے روانہ ہو گئے تو سورۃ برات (جسے سورۃ توبہ بھی کہتے ہیں) نازل ہوئی اور یہ رب العزت جل جلالہٗ کی طرف سے معاہدات کے ختم کرنے کا اعلان تھا، لیکن مسلمانوں کو اس سلسلے میں اخلاقِ کریمانہ کا درس دیا گیا۔ مشرکوں کو چار مہینے کی فیاضانہ مہلت دی گئی۔ انہیں یہ اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو وہ اسلام قبول کر کے اسلامی ریاست کے شہری رہیں اور بصورت دیگر وہ اسلامی مملکت سے نکل کر نئے ٹھکانے آباد کریں۔ اس فیصلے کی حکمت سمجھنے کے لیے بار ہا مشرکوں کی عہد شکنی کو سامنے رکھنا ضروری ہے ورنہ عام حالات میں ذمیوں کے حقوق مسلم ہیں اور وہ بھی اسلام کی اخلاقی فیاضی کا ثبوت ہیں۔ چار مہینے کی مہلت اور اس کے بعد تمام معاہدوں کی منسوخی کا ربانی اعلان حج کے موقع پر سنانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور یوں حضرت ابوبکر صدیق کی امارت وقیادت میں ادا کئے جانے والے حج کے موقع پر اعلان برأت سنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے مختلف پہلو اس سلسلے میں نظر کے سامنے آتے ہیں۔ حج کو انسانی مساوات وآزادی کا سب سے بڑا ادارہ بننا تھا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج سے پہلے تمام رکاوٹیں راستے سے ہٹادی گئیں۔

تمام معاہدوں کے ختم کرنے کا یہ اعلان بہت منصفانہ تھا۔ فریق ثانی کے حقوق کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ O فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَO وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ O اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَO (۱۶)

اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے بیزاری (اور لاتعلقی کا صاف اعلان) ہے ان مشرکوں کے بارے میں جن سے تم نے عہد وپیمان کیا تھا۔ پس (اے مشرکو) تم ملک میں چار مہینے تک تو گھوم پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ اللہ اور رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن لوگوں کے لیے اعلان ہے کہ اللہ مشرکوں سے بے زار ہے اور اس کا رسول بھی۔ اگر تم (اب بھی) توبہ کرلو گے تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اسے ہرا نہیں سکتے اور (اے رسول!) کافروں کو عذاب الیم کی وعید پہنچا دیجئے بجز ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہیں کی تو تم بھی ان کے ساتھ معاہدے کی مدت پوری کرو۔ اللہ تعالیٰ متقی بندوں کو دوست رکھتا ہے۔

یہ اعلان ان مشرکوں سے برأت کا اعلان تھا جن سے متعین مدت کا معاہدہ نہیں تھا یا جن سے متعین مدت کا معاہدہ تھا لیکن انہوں نے عہد کی پاسداری نہیں کی۔ چار مہینے کی مہلت اس لیے دی گئی کہ مشرک اپنے بارے میں فیصلہ کرلیں۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو اسلامی برادری اور ریاست کا خود بخود حصہ بن

جائیں گے۔ بصورتِ دیگر وہ ارضِ حرم سے نکل جانے کا فیصلہ کریں گے۔ اس اعلان برأت سے ان مشرکوں کو مستثنیٰ قرار دیدیا گیا جن سے زیادہ مدت کا معاہدہ تھا اور انہوں نے اپنے معاہدے کا احترام کیا تھا۔ ان کے لیے حکم ہوا کہ فاتموا الیھم عھدھم الیٰ مدتھم۔ اس حکم سے عہد و پیمان کی حرمت اور اہمیت سامنے آتی ہے اور مسلمانوں پر ہر صورت میں عہد و پیمان کے احترام کو فرض قرار دیا گیا۔

مشرکین سے اعلانِ برأت کر دیا گیا، جزیرہ نمائے عرب توحید نگر بن گیا۔ اسلامی قوانین افراد کی زندگی کو اسلام اور اسلامی اخلاق و طرز حیات میں ڈھالنے لگے اور معاشرہ میں اجتماعی زندگی کی صورت گری کرنے لگے، دل و نظر مسلمان بن گئے۔

یوں اللہ کی زمین اللہ کے نور سے جگمگانے لگی اور دیکھنے والی آنکھوں اور سوچنے والے ذہنوں پر یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فرائض نبوت کو پایانِ کار تک پہنچا دیا جن کے لیے آپ مبعوث ہوئے تھے اور وہ منزل آگئی کہ رب العزت اس تکمیل کی سند عطا فرمادے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں بلکہ عالمِ انسانیت کے لیے، تاکہ انسان جان لے کہ وہ اس مرحلے تک آگیا ہے جہاں اللہ کی قائم کردہ حدود کے اندر رہ کر اسے اپنے معاملات کو طے کرنا اور زندگی کے خاکے میں رنگ بھرنے کا اختیار عطا کر دیا گیا ہے۔ دین کی تکمیل کے اعلان کے لیے کائنات کو ایک عالم گیر ادارہ اور اسٹیج حج کی صورت میں عطا کر دیا گیا۔

اشارہ رب پاکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں اپنے حج کا اعلان فرمایا اور سارے عرب کے لوگوں تک یہ اعلان پہنچ گیا۔ حج کے علاوہ تمام عبادات کے طریقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے مسلمانوں پر روشن ہو گئے تھے لیکن مناسک حج کی تربیت ابھی باقی تھی۔ حج جو تمام عبادات کا جامع ہے۔ حج بدنی عبادت بھی ہے اور مالی عبادت بھی اور جہاد کے مفہوم کو اپنے وسیع ترین مفہوم میں پیش کرنے والی عبادت بھی۔

اعلانِ حج سن کر اہل ایمان مدینہ منورہ میں جمع ہونے لگے۔ ہر راستہ مدینے کا راستہ بن گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفرِ حج میں شریک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے بڑھ گئی۔ اس وقت مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور جزیرہ نمائے عرب کی آبادی کو دیکھتے ہوئے یہ بہت بڑی تعداد تھی۔ کاروانِ حج کے شرکا کی تعداد کی روایتوں میں تھوڑا بہت اختلاف ہے۔ بعض راویوں کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار اہل ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کے لیے جمع ہو گئے۔

دوسری روایات کے مطابق یہ تعداد ایک لاکھ چوالیس ہزار تھی۔ جس مسلمان کے لئے زادِ راہ اور

سواری کا انتظام ممکن ہوسکا وہ اس قافلۂ سعادت میں شریک ہونے کے لیے مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ تمام ازواج مطہرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں حج کرنے کے لئے تیار ہوگئیں۔ اس سفر تقویٰ کی اساس میں اخلاقِ حسنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور اخلاقِ نبوی کے ہر مرحلے اور ہر شعبے میں ہمیں بے مثال عدل نظر آتا ہے۔

حجۃ الرسول کا سفر ۲۵ ذی القعدہ/۱۰ھ مطابق ۲۲ فروری/۶۳۲ء کو شروع ہوا۔ وہ ہفتے کا دن تھا۔ اس کاروانِ فلاح نے ذی الحلیفہ پہنچ کر ایک شب کے لیے قیام کیا (اس مقام کو بئر علی بھی کہتے ہیں)۔ اگلے دن راہِ حق کے ان مسافروں نے احرام باندھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے لبیک اللھم لبیک کا زمزمہ بلند ہوکر فضاؤں میں لہریں بناتا ہوا قیامت تک کے لیے اہلِ ایمان کی زندگیوں کا منشور بن گیا۔ تمام صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نوائی کررہے تھے۔ ہم حاضر ہیں۔ اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں۔ کوئی تیرا شریک نہیں ہے۔ ہر تعریف تیرے لیے ہے، ہر نعمت تجھی سے ہے اور یہ زمین اور ہر ملک تیرے لیے ہے۔ اقتدار اور سلطنت تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ یہ کلمات ہی مسلمان کی زندگی کا احاطہ کرلیتے ہیں۔ زندگی کے ہر لمحے میں وہ اللہ کے ہر فرمان پر لبیک کہنے کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار اور حکومت میں کسی کی شرکت کا تصور نہیں کرسکتا، بلکہ ہر ''شریک'' بننے کے دعویٰ داروں کی جھوٹی کبریائی کو خاک میں ملا دینا ہی اس کی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد ہوتا ہے۔

اہل ایمان کا قافلہ بڑی تنظیم کے ساتھ بلدِ امین کی طرف روانہ ہوا۔ ترتیب میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ قافلے کا ہر حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا ممکن ہو قریب رہے اور اکابر صحابہ اس پھیلے ہوئے وسیع قافلے کے مختلف حصوں میں نئے مسلمانوں کے ساتھ ہوں تاکہ وہ ان لوگوں تک ہادیٔ برحق کی احادیث اور عبادات کے طریقے پہنچاتے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام ۴ ذی الحجہ کو مکۂ معظمہ میں داخل ہوئے۔ ۲۵ ذی القعدہ سے تربیت اور تعلیم کا سلسلہ مسلسل جاری رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کچھ ارشاد فرماتے صحابۂ کرام سانس روک کر آپ کی بات سنتے۔ کچھ تو صحابہ کی توجہ اور کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عنایت رب اور اس کا معجزہ کہ آپ کی آواز ہزاروں احرام پوشوں تک پہنچ جاتی اور اسی کے ساتھ ساتھ قریب سے آپ کے ارشادات سننے والے قافلے میں پھیل کر سب تک آپ کے ارشادات پہنچا دیتے تھے۔ علم کی اشاعت کے سلسلے میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور فرمان کی تعمیل تھی۔ صحابۂ کرام اپنے صاحب کی باتوں کو دہرانا، انہیں یاد رکھنا عبادت جانتے تھے اور اپنے رہبر وہادی کی ذات سے ان کے تعلق کا یہ عالم کہ آپ کے ارشادات بیان کرتے ہوئے وہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے اشارات، جنبشِ لب وچشم کی تقلید بھی کرتے اگر کوئی بات بیان کرتے ہوئے آپ نے اپنا ہاتھ بلند کیا یا انگلی سے کوئی اشارہ کیا تو وہ حدیث کو بیان کرتے ہوئے آپ کی جنبش اور اشارے کو بھی دہراتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان کے تعلق کا یہ عالم کہ آج تک محدث ان باتوں کو روایت کا حصہ سمجھتے ہیں اور یوں آپ کی ادائیں بھی ان تمام صدیوں میں باقی رہی ہیں اور یوں اللہ کے رسول کے اخلاق کے یہ پہلو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں زندہ رہے ہیں اور زندہ رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت مسجد الحرام میں تشریف لے گئے۔ جب آپ کی نظر بیت اللہ پر پڑی تو آپ نے وہ دعا پڑھی جو آج بھی ہر زائر خانہ کعبہ کو دیکھ کر پڑھتا ہے۔

اللھم زد ھذا البیت تشریفاً وتعظیما وتکریما ومھابة

اے اللہ اس گھر (کعبۃ اللہ) کے شرف، تکریم وتعظیم اور دبدبے میں اور اضافہ فرما۔

کعبہ امن وسلامتی کا نشان اور اشارہ ہے۔ یہ گھر اللہ کی کبریائی کا مشہور اعلان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بلند کر کے اللہ کی کبریائی کا اعلان فرمایا۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ اللہ کی کبریائی انسانوں کی سلامتی کی ضمانت ہے اور انسان کے لیے امن کی نوید ہے۔ آپ نے کعبے کے سامنے اپنے رب کے عطا کردہ امن اور سلامتی کا ذکر فرمایا کہ اللہ ہی سلام ہے، صاحبِ امن اور وہی اپنے گھر کو امن وسلامتی کے نشان کے طور پر باقی رکھے گا اور ہمیں وہی ایمان کے ساتھ زندگی کی دولت عطا فرماتا ہے۔

خانہ کعبہ کا طواف بندگی کا طواف ہے۔ آج ہم طواف کے ہر چکر میں مخصوص دعائیں ادا کرتے ہیں۔ ان دعاؤں کے الفاظ ہماری ہر تمنا اور ہر خواہش کا اظہار ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طوافِ بندگی کو کچھ دعاؤں کے ساتھ مخصوص اور محدود نہیں کیا بلکہ آپ نے دین اور دنیا کے خیر اور بھلائی اور عذابِ دوزخ اور جہنم کی آگ سے نجات کو دعائے مسلم بنا دیا۔ وہ دعا جو رب العزت نے ہمیں عطا کی ہے۔ اور آج بھی رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان ہم اسی دعا کے ذریعہ اپنے رب سے ہم کلام ہوتے ہیں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۱۷)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں خیر عطا فرما، اور آخرت میں بھی خیر عطا فرما۔ اور ہمیں آگ کے عذاب (دوزخ) سے بچالے۔

طواف کے بعد اہلِ ایمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں قیام کیا، پھر عہد جاہلیت کی رسم کو توڑتے ہوئے مزدلفہ میں قیام کرنے کی جگہ آپ عرفات تشریف لے گئے اور عرفات کا قیام و وقوف ہی حج ٹھہرا۔ عرفات ہی میں آپ نے خطبۂ حجۃ الوداع فرمایا۔ وہ خطبہ جو منشور انسانیت ٹھہرا۔ یوم

عرفات، یوم الحر اور اس کے بعد کے دنوں میں صحابۂ کرام آپ سے مناسک حج کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ایک لاکھ انسانوں سے زیادہ کا مجمع اور ابلاغ ترسیلِ احکام کے راستے میں رکاوٹیں۔ کچھ لوگوں نے بال پہلے منڈوالئے اور قربانی بعد میں دی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ''کوئی حرج نہیں''، لیکن مناسک کی ترتیب حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے متعین ہوگئی۔ حجۃ الوداع عبادات، مناسک، تربیت اور تعلیم کا نہایت ہی جامع وعملی نصاب تھا۔ اب قیامت تک مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق حج کا اتباع کرتے رہیں گے۔ وہی عمل معتبر ہے جس پر داعی الی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مہر ثبت ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں بھی خطبہ دیا لیکن خطبہ حجۃ الوداع سے مراد آپ کا خطبۂ عرفات ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر تمام خطبوں میں بعض نکات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دہرایا ہے خاص طور پر اس بات کو شاید یہ مستقبل میں آپ اہل ایمان کے کسی اجتماع میں ان کے ساتھ نہ ہوں۔ حجۃ الوداع کے خطبہ عرفات کے متن کو بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ یک جا کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں اور اس ساری روائداد کو مکمل متن کے ساتھ ڈاکٹر نثار احمد نے اپنی کتاب خطبۂ حجۃ الوداع میں پیش کردیا ہے۔ (۱۸)

خطبہ حجۃ الوداع اہل ایمان ہی سے نہیں بلکہ سارے انسانوں سے عالم انسانیت کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطاب ہے۔ اس میں اپنے جلد ہی رخصت ہونے کے اشاروں سے اس کی حیثیت کا تعین ہوجاتا ہے۔ آپ نے اپنے مشن کی تکمیل کے بعد انسانوں کو ان اہم باتوں کی وصیت فرمائی جو انسانیت کی وحدت، تکریم اور امن وسلامتی کی بنیاد ہیں۔

خطبۂ حجۃ الوداع انسانی حقوق کا منشور ہی نہیں ہے بلکہ انسانوں سے ایسا خطاب ہے جو انہیں اپنے مقصدِ تخلیق اور اخلاقی وجود کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ محض قانونی دستاویز نہیں ہے بلکہ وحدتِ آدم کے دیباچے کے بعد یہ خطبہ انسانی ذات، انسان کے اخلاقی پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اور مساواتِ انسانی کی بنیاد کو پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد انسانی معاشرے کے حوالے سے حقوق وفرائض کا تعین کیا گیا ہے اور پھر عبادات، عقائد اور اللہ تعالیٰ اور انسان کے رشتے کو پیش کیا گیا ہے۔ یوں زندگی کی ہر جہت اس خطبے میں آگئی ہے۔

انسان کے وضع کردہ منشور، چارٹر اور اعلان نفسِ انسانی (انسان کی سائیکی) اور انسانی معاشرے میں فرد کی اہمیت کے ادراک واحساس سے معریٰ ہیں۔ فرد انسانی معاشرے کی بنیادی اکائی ہے، بلکہ وہ

معاشرے کی نیو اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان تو ''عالم اصغر'' کا درجہ رکھتا ہے جس میں یہ ''عالم اکبر'' موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرد کی اصلاح فرمائی، اسے اخلاقی اوصاف سے مزین فرمایا اور اس حد تک کہ وہ معاشرے کے ڈھانچے کا بوجھ سنبھال سکے۔ فرد اور جماعت کے رشتے کو اسلام کے علاوہ کوئی اور نظام ایسا توازن عطا نہیں کر سکا جو انسان اور انسانی معاشرے کی صحت اور سلامتی کا ضامن ہو۔ اشتراکی نظام میں افراد جماعتی جبر کا شکار ہوتے ہیں ان کے امکانات بروئے کار نہیں آپاتے۔ وہ جماعت کی مشنری کا پرزہ ہوتے ہیں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں اور اس جماعتی جبر کو پارٹی کے اہل کار اور بڑھا دیتے ہیں اور یوں اشتراکی نظام میں جماعتی آمریت وجود میں آجاتی ہے اور اگر اسٹالن جیسا مردِ آہن میسر ہو جائے تو اس کی شخصی آمریت جماعتی آمریت کی طاقت سے تمام حدود کو پامال کر دیتی ہے، جمہوری نظام میں فرد کی آزادی اور خود غرضی بے لگام ہوتی ہے اور آزادی کے نظام پر معاشی میدان میں سخت ناہمواریاں پیدا ہوتی ہیں اور گلوتراش معاشی مقابلے میں امیر امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جاتا ہے۔ جمہوریت بھی اپنی حدود کو توڑتی ہوئی عوام کی آمریت بن جاتی ہے اور عوامی رائے کا ریلا اخلاقی اقدار کو بھی بہالے جاتا ہے اسلام میں صالح اور اخلاقی تربیت یافتہ افراد، معاشرے اور ریاست کو اخلاقی خطوط پر چلاتے ہیں۔ خود احتسابی، خوفِ خدا انہیں آمر اور جابر بننے سے روک دیتا ہے اور وہ ایک طرف تو نیکی کے راستے میں ایک دوسرے سے مسابقت کرتے ہیں اور دوسری طرف اجتماعی وجود کو اخلاقی اساس عطا کرتے ہیں۔ ایسے افراد ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں جو ہر فرد کے امکانات کی تکمیل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت معاشرے میں عملی طور پر جاری وساری نظر آتی ہے۔ ہر شخص کے امکانات اپنی انتہا تک آسانی سے پہنچ جاتے ہیں۔ اقبال نے اسی اسلامی معاشرے کو اپنے اس شعر میں پیش کر دیا ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

ایھا الناس کی تکرار خطبہ حجۃ الوداع کو قیامت تک آنے والے انسانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب بنا دیتی ہے اور اسی کے ساتھ اس خطبے کو سننے والوں نے میدانِ عرفات میں اپنے آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راست خطاب سمجھا ہوگا اور اس خطبے کی یہ کیفیت آج بھی باقی ہے اور کل بھی باقی رہے گی۔ اس کو ہر پڑھنے والا آج بھی ہادیٔ نوع بشر کا اپنے آپ سے خطاب جانتا ہے۔ ایک ایک لفظ ہماری ذات کی گہرائیوں تک پہنچ کر ہمیں شاداب کرتا ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع کی تمہید یا دیباچہ (پیش گفتار) مسلمان کی زندگی کے اساسی عقیدے کا اعلان اور

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے سے عبارت ہے۔ اس میں اہل ایمان کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کا منبع اور سرچشمہ ہے اور اسی کی اعانت سے آدمی اپنے نفس کے شر سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کردار سازی اور اخلاقِ عالیہ کی اساس ہے۔

اسی پیش گفتار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنے سفرِ آخرت کے صدمے کے لیے تیار کر دیا اور اپنے اس حج کو حجۃ الوداع قرار دیا ''لوگو! حج کے مسائل بھی مجھ سے سیکھ لو۔ شاید اس کے بعد میرے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے'' اور آپ نے حجۃ الوداع کے شرکا کو ایک اصولی ہدایت فرمائی کہ میری باتوں کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔

''سمع'' کو تبلیغ، اشاعتِ دین میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اور ہر مسلمان کو ہمارے رسول کی ہدایت ہے کہ دین کی اگر ایک بات بھی اسے معلوم ہو تو دوسروں تک پہنچائی جائے۔

رجوع الی اللہ کی ہدایت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ صحابۂ کرام ذہنی اور نفسیاتی طور پر خطبے کے نکات کو سمجھنے اور ان کو اپنے کردار و اخلاق کا حصہ بنانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اللہ کی توحید، وحدتِ آدم کی سمت نما ہے۔ خالق کی توحید، اس کی مخلوقِ بااراده، انسان کی وحدت کی اساس ہے۔ وحدت و مساوات انسانی کی پہلی بنیاد توحید ہے، اس کے بعد دوسری بنیاد سارے انسانوں کے باپ کا ایک ہونا ہے۔ یہ سلسلہ اخوت انسان کی تخلیق کے بنیادی عنصر کے ایک اور مشترک ہونے تک پھیلا ہوا ہے اور اسی لیے رنگ اور نسل کا اختلاف وحدتِ انسانی کی نفی نہیں ہے۔ اس بنیاد پر انسانوں کو پست و بلند، اعلیٰ و ادنیٰ قرار دینا جاہلیت کی رسم اور فکر ہے اور اس حج کے موقع پر انسانیت کے ارتقا کی وہ منزل آ گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ جاہلیت کی ہر رسم، ہر تصور میرے قدموں کے نیچے ہے۔ گزشتہ کئی صدیوں میں رنگ و نسل کی بنیادوں پر انسانوں میں تفریق کی گئی اور یہ علم اور روشنی کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود جاہلیت کا ایک مظاہرہ تھا جس میں امریکہ مدتوں اسیر رہا اور بیسویں صدی تک انسانوں میں رنگ و نسل کی بنیادوں پر تفریق کی گئی۔ جنوبی افریقہ کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے اور اسرائیل کی نام نہاد ریاست کی بنیاد بھی نسل پرستی پر ہے۔ لیکن زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق ان زنجیروں کو توڑ رہا ہے اور انسان ''طوعاً و کرہاً'' بھی مساواتِ انسانی کی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ انسانی عقل تو اب ''جمعیتِ اقوام'' کی منزل تک پہنچی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع جمعیت آدم کا اعلان تھا۔

انسانی مساوات کی اخلاقی بنیاد توحید اور وحدتِ آدم ہے جس نے فرد اور جماعت کو ایک دوسرے

سے پیوستہ کر دیا اور قانون کے احترام اور استقلال کے لیے لازم ہے کہ قانون کی بنیاد عقیدے اور نظریہ پر ہو اور عقیدہ اگر آفاقی ہوگا تو قانون میں بھی آفاقیت اور عالم گیریت ہوگی۔ ایسی عالم گیریت جو لازمانی ہو اور وقت و مکان پر حاوی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

ایھا الناس ،تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ تم آدم کی اولاد ہو اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ صاحبِ عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی (اللہ سے ڈرنے والا صاحب کردار و اخلاق) ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے (سرخ سفید) پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت (اور فوقیت) حاصل نہیں ہے۔ باعثِ افتخار ہے تو صرف تقویٰ۔ اے اللہ کے بندو! میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اللہ کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں۔

ان کلمات کے بعد آپ نے واضح طور پر انسانی تاریخ میں ایک نئے دور کے آغاز کا اعلان فرمایا۔ انسانی تاریخ کا عہدِ جدید ان الفاظ سے ہوا۔

جاہلیت کی ہر چیز اور رسمیں میرے قدموں تلے ہیں۔

کل شئی من اھل الجاھلیۃ میں زندگی کی رسمیں، قانون، طرزِ حیات، اسلوبِ فکر ہر چیز آ گئی، عزت و ذلت کے پیمانے بدل گئے اور آگے چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسوم و اسالیب جاہلیت میں سے ان اہم باتوں کی وضاحت کر دی جو مٹا دی گئیں۔ لا کی یہ منزل نئی تعمیر کے لیے لازم تھی۔ لا کے بعد ''الا'' آپ نے ہر انتقام (قصاص) اور ہر غصب کی ہوئی ملکیت اور مال کو اور خاندانی تفاخر کو قیامت تک کے لیے اہل ایمان پر حرام قرار دیدیا۔ ایامِ جاہلیت کے سارے سود، سارے انتقام اور بدلے اور خون بہا ماضی کا قصہ بن کر رہ گئے۔ نیکیوں کا سفر جاری رہا اور تمام برائیوں سے انسانیت کو نجات مل گئی۔

نسیٔ کی رسم اور دستور ایام اللہ سے کھیلنے کے مترادف تھا، انہی اغراض کے لئے، اپنے مخالفوں کا خون بہانے کے لیے ایامِ جاہلیت میں عرب مہینوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے تھے حرام مہینوں کی ترتیب بدل دیتے تھے تاکہ جنگ کو حرام مہینوں میں جائز قرار دے کر دشمنوں کا خون بہا سکیں اور اللہ کی زمین پر فساد برپا کر سکیں۔ نسیٔ کے دستور کو ختم کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اور اب زمانہ گھوم پھر کر اور اپنی گردشوں کے بعد اسی جگہ پر آ گیا ہے جہاں کائنات کی تخلیق کے دن شروع ہوا تھا۔

اس قول اور خیال کی بلاغت اور گہرائی پر غور کرتے جایئے تو انسان نے کفر میں مبتلا ہو کر وقت اور اللہ کے پیدا کردہ مہینوں کو اپنی اغراض کے پھندے میں مقید کرنے کی کوششیں کی اور یہ بھول گیا کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ مہینوں کے مطابق اپنی تقویم مرتب کرتی رہی ہے۔ اس مرحلے پر آپ نے احرام پوش نفوس قدسیہ سے دریافت فرمایا کہ لوگو! کیا میں نے یہ بات تم پر پہنچادی۔ لوگوں نے جواب دیا ہاں، بیشک آپ نے بات پہنچادی۔ اس پر آپ نے اللہ جل جلالہٗ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ اللھم اشھد ۔ اس خطبے میں آپ نے امت سے ایک بار سے زیادہ گواہی طلب کی۔ وقت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ اس باب میں آپ نے پہلی گواہی طلب کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامعین کو ہر قدم پر ساتھ رکھتے تھے اور اس کا ایک طریقہ سامعین سے سوال کرنا تھا۔ اس مرحلے پر آپ نے صحابہ کرام سے دریافت کیا کہ لوگو! یہ کون سا مہینہ ہے۔ اور یہ کون سا دن ہے؟ اور تم کس شہر میں جمع ہو۔ صحابۂ کرام نے جواب دیا کہ یہ محترم مہینہ ہے اور یہ محترم دن (یوم الحج) ہے اور یہ محترم شہر ہے۔ اور پھر اس موقع اور حج کی اہمیت کو اپنے سامعین کے دل و دماغ کا حصہ بنانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت و آبرو ایک دوسرے پر حرام ہے۔ یوں سرورِ کائنات نے اپنی اخلاقی تعلیم کے اس نہایت اہم پہلو کو ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا حصہ بنادیا جو امن کی ضمانت ہے۔

پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے کی جان، مال اور آبرو کی حرمت کو انفرادی اخلاق اوصاف اور ایمان کی شرطوں اور بنیادوں کے طور پر پیش فرمایا اور اس کے فوراً بعد ان نکات کو معاشرے کے بنیادی اصولوں کے طور پر پیش کیا۔ آپ نے انفرادی سطح پر جماعتِ مومنین کے ہر فرد سے کہا! میری بات سنو۔ اس سے تم زندگی پاجاؤ گے۔ اسمعوا منی تعیشوا ۔ یہ تمہاری روح اور ذات کی زندگی ہے کہ! تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا، ظلم نہ کرنا، ظلم نہ کرنا، یہ بات آپ نے تین بار کہی۔ اور پھر آپ کے خطاب میں مسلم معاشرے کی تقسیم کے اجتماعی نکات بیان کئے گئے۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں ''ایھا الناس'' کا تخاطب، خطبے کے مختلف حصوں کی نشان دہی کرتا ہے۔ ایھا الناس ، اسمعو اقولی فرما کر آپ نے معاشرے کی تعمیر اور اصلاح کی دفعات بیان کیں۔ آپ نے فرمایا: بلاشبہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ قرآن حکیم کے ارشاد کل مومنون اخوۃ کی تشریح فرماتے ہوئے آپ نے کہا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے محترم ہے، مسلمان کا گوشت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ یوں رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی حرمت کو قرآنی اصلاح میں بیان فرمایا۔ مسلمان پر مسلمان کی عزت آبرو حرام ہے۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں۔ جس سے دوسرے امن میں رہیں۔

اجتماعی زندگی اور معاشرے کی اصلاح اور تعمیر کے دوسرے نکات خطبۂ حجۃ الوداع کی روشنی میں مختصراً یہ ہیں۔

۱۔ مہاجر وہ ہے جو غلطیوں اور گناہوں سے کنارہ کش ہو جائے۔

۲۔ مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کی تکمیل کے لیے اپنے نفس کے تقاضوں کا مقابلہ کرے (اور ان کی نفی کرے)۔

۳۔ جس کے پاس امانت رکھوائی جائے وہ اس بات کا پابند ہوگا کہ وہ (امانت رکھنے والے کو) امانت واپس کر دے۔

۴۔ قرض کی ادائیگی کی جائے۔

۵۔ کسی سے کوئی چیز مستعار لی جائے تو واپس کی جائے۔

۶۔ ضامن اپنی ضمانت کا ذمہ دار ہوگا۔

اسلام میں جرم اور گناہ اساساً ایک ہی ہیں۔ اصطلاحاً جن گناہوں پر حد یا سزا دی جائے انہیں جرم کہا جا سکتا ہے ورنہ اسلام میں جرم اور گناہ کے اخلاقی پہلو کو ہر جگہ مقدم رکھا گیا ہے تاکہ گناہ نفس انسانی کو مجروح نہ کرے۔ قرآن حکیم میں حد اور تعزیر کے ساتھ ساتھ اللہ کی معافی اور مغفرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسلام مجرم سے نہیں بلکہ جرم سے اجتناب کا درس دیتا ہے اور جس شخص پر تعزیر یا حد جاری کی گئی وہ اپنے جرم سے پاک ہو گیا۔ آج جرم و سزا کا مروج تصور اور فلسفہ اسلامی تعلیمات کا عکس ہے اور خطبۂ حجۃ الوداع اسی تصور کو پیش کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں یہ نکتہ اس طرح بیان فرمایا ہے۔

> دیکھو! ایک مجرم اپنے جرم کا آپ ہی ذمہ دار ہوگا۔ جان لو! اب باپ کے جرم کے بدلے میں بیٹا نہ پکڑا جائے گا اور بیٹے کے جرم کے لیے باپ کو نہیں پکڑا جائے گا۔

خطبے کے اس مرحلے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق، معاشرے میں ان کی ذمہ داریوں اور ان کے فرائض کو شرح وبسط کے ساتھ پیش فرمایا۔ ہم یہ سطریں ۲۰۰۸ء کے ''خواتین کے عالمی دن'' کے موقع پر ۸ مارچ کو لکھ رہے ہیں۔ اس دن کے پروگراموں اور تقریروں میں خواتین کو رفاقت کا نہیں بلکہ مسابقت کا ''درس'' دیا جا رہا ہے۔ جس سے معاشرے میں سکون نہیں بلکہ فساد ہی پیدا ہوگا۔ دوسری طرف ڈنمارک کے لیے توہین آمیز کارٹونوں کی اشاعت پر توہین رسالت کے خلاف اسلامی دنیا

احتجاج کر رہی ہے اور ہمارے ذہن میں یہ خیال آ رہا ہے اور بڑی شدت سے، توہین رسالت کے عملی مجرم تو ہم مسلمان ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اسوہ حسنہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ساری دنیا کے لیے نشانہ عبرت بن گئے ہیں۔ صرف عورتوں کے حوالے سے غور کیجئے تو ہم ''ونی''، ''قرآن سے شادی'' جیسے گناہوں کے مرتکب ہو رہے ہیں اور ''عزت'' کے نام پر خواتین کا قتل قانونِ امروز بن چکا ہے۔ ہم نے جائیداد کی تقسیم کو روکنے کے لیے اور اپنی جاگیرداری کے تحفظ کے لیے اسلام کو بازیچۂ اطفال بنا دیا ہے۔ کاش خطبہ حجۃ الوداع کے آئینے میں اپنے اعمال اور افعال کا جائزہ لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عورتوں کے بارے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس سے ڈرتے رہو۔ اللہ کے (حکم اور) کلمات کی بنا پر وہ تمہارے لیے حلال کی گئیں (نکاح کا انحصار کلمات اللہ پر ہے)۔ خبردار! تمہیں عورتوں سے حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ (اللہ کے کلمات کی بنا پر) تمہاری پابند ہیں۔ تم اس کے لئے کسی معاملے میں حق ملکیت نہیں رکھتے۔

لوگو! جس طرح عورتوں کے کچھ حقوق تمہارے ذمہ ہیں، اسی طرح تمہارے کچھ حقوق ان کے ذمہ ہیں اور وہ یہ ہیں کہ وہ کھلی بے حیائی کا کوئی عمل نہ کریں۔ (تمہارے بستر کی حرمت کا خیال رکھیں)۔ تمہاری اجازت کے بغیر کسی کو تمہارے گھر میں داخل نہ ہونے دیں۔ اگر عورتیں ان باتوں کی خلاف ورزی کریں تو تمہیں اجازت ہے کہ انہیں بستروں پر اکیلا چھوڑ دو، اور ان پر سختی کرو مگر انہیں تکلیف دینے والی مار نہ مارو (اگر ہلکی سرزنش ضروری ہو جائے) اور عورتوں کے بھی تم پر حق ہیں۔ خوراک ولباس کے بارے میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، (ان کے لئے صحت بخش غذا اور مناسب و باعزت لباس تمہاری ذمہ داری ہے) عورتیں معروف باتوں میں تمہاری نافرمانی نہ کریں۔

گھر کا سکون، معاشرے کے سکون بڑی حد تک ازدواجی زندگی اور تعلقات پر منحصر ہوتا ہے۔ افراد کی صلاحیتوں اور ان کے بروئے کار آنے کا تعلق بھی ان تعلقات کی خوش گواری سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور ان کے عملی اخلاقی برتاؤ سے عائلی زندگی کو جنت آثار بنایا جا سکتا ہے۔ گھریلو اور عائلی زندگی میں ہمارے خادم بھی شامل ہیں۔ عہدِ رسالت میں غلاموں اور کنیزوں کا رواج تھا جسے اسلام نے اولاً محدود کیا اور پھر غلامی کے دروازوں پر آزادی کا قفل ڈال دیا۔ کنیزوں کے حصول کا ہر ذریعہ ممنوع قرار دیا گیا، غلاموں کو اپنی آزادی خریدنے کا اختیار دیا گیا، کنیزوں کی اولاد کے حقوق متعین

کئے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں بھی کنیزوں کو فراموش نہیں کیا اور آپ ﷺ نے فرمایا، ''میں تمہیں ان کے بارے میں بھی حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں جو تمہارے زیر نگین ہیں۔ انہیں وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔'' ان زیردستوں کا احاطہ قرآنی اور اسلامی اصطلاح **ماملکت ایمانھم** بڑی خوبی سے کرتی ہے۔

ان قانونی، معاشرتی اور معاشی پہلوؤں اور مسائل کو بھی خطبۂ حجۃ الوداع میں پیش کرنے کے بعد خطبے کے آخر میں معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد، عبادات کو اور معاملات کو اس طور پر پیش فرمایا کہ ان سب کی اخلاقی بنیاد ہمیشہ کے لئے متعین اور واضح ہوگئی اور اہل ایمان پر قیامت تک کے لیے یہ نکتہ روشن ہوگیا کہ اسلام ایک کُل کا نام ہے جس کے سارے پہلو اور گوشے ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور زندگی کا کوئی پہلو ان تعلیمات اور اصولوں سے باہر نہیں۔ اسلام بے حد انفرادی ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد اجتماعی ہے۔ ایک طرف تو یہ ہماری ذاتی زندگی کی نہج کو متعین کرتا ہے اور دوسری طرف ہماری معاشرتی اور اجتماعی زندگی کے رخ کا تعین کرتا ہے اور دونوں دائروں میں تقویٰ، اللہ کی محبت اور اللہ کا خوف ہمیں اسلام کی ڈگر سے بھٹکنے نہیں دیتا۔

خطبے کے آخری حصے میں اخلاقِ اسلامیہ کے خدوخال اس طرح سامنے آتے ہیں کہ جرائم کا انسداد ایک معاشرتی مسئلہ کے ساتھ ساتھ اخلاقی مسئلہ کے طور پر ابھرتا ہے کیونکہ کئی جرائم معاشرے میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ 'زنا ایسا ہی جرم اور گناہ ہے کہ افراد معاشرہ کے نسب کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ انسانی ادارے شک وشبہ کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ آج کا مغربی معاشرہ انہیں اندیشوں کے حقیقت بن جانے پر گواہی دے رہا ہے۔ DNA کا مطالبہ اور ضرورت عائلی زندگی کو داغ دار بنا رہی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق، جرائم، عقائد اور عبادات کو یہاں یک جا فرمایا کہ زندگی کی تعمیر کا ہر رخ سامنے آگیا۔ آپ نے فرمایا

لوگو! کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ، کسی کو ناحق قتل نہ کرو، زنا نہ کرو، اور چوری نہ کرو۔

لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (مجھ پر سلسلۂ نبوت ختم ہو رہا ہے اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں)۔

میری اور مجھ سے پہلے کے انبیا کی افضل ترین دعا یہ ہے۔

لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہٗ الملک ولہٗ الحمد، بیدہ الخیر، یحیی ویمیت و ھو علیٰ کل شئی قدیر

اپنے رب کی عبادت کرو اور (ہر دن) پانچ نمازیں ادا کرو اور رمضان کے مہینے میں روزے رکھو اور اپنے رب کے گھر کا حج کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو خوشی سے، اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو، (اگر وہ کتاب اللہ کے مطابق حکم دیں) اور (ان احکام کی اطاعت کے نتیجے میں) اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ سے ڈرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں ٹھیک ناپ تول سے دیا کرو اور زمین پر فساد نہ برپا کرو خبردار! دین کے معاملے میں غلو اور انتہا پسندی سے بچو، تم سے پہلے کی قومیں دین میں انتہا پسندی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

خطبۂ حجۃ الوداع کا ہر حصہ، ہر حکم اور ہر جملہ موجودہ حالات کے سیاق وسباق میں ہمیں دعوتِ عمل دے رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو بھول کر ہم حالات، کردار، عمل اور واقعات کے گرداب میں پھنس گئے ہیں اور چکرا رہے ہیں۔ ناپ تول میں کمی ہماری شناخت بن گئی ہے۔ قولِ حسن اور قولِ معروف سے مسلمانوں کی بستیاں اور آبادیاں محروم ہوگئی ہیں۔ ہماری گلیاں اور کوچے، کوچہ قاتل بن گئے ہیں جس میں کسی کی جان محفوظ نہیں ہے۔ عراق اور پاکستان کے شہر، خودکش بم بازوں کے ہاتھوں میدان جنگ سے زیادہ غیر محفوظ بن گئے ہیں اور یہ سب کچھ دین کے نام پر ہو رہا ہے۔ حکمرانوں کی بداعمالیاں اور غیروں کے اشاروں پر اپنے شہروں پر فوج کشی اپنی جگہ لیکن دین، نفاذِ شریعت کے نام پر نام نہاد علما، ناسمجھ نوجوانوں سے جو کچھ کرا رہے ہیں اس کی روشنی میں خطبۂ حجۃ الوداع کا یہ ارشاد اپنے پورے معانی کے ساتھ ہم پر واضح ہوتا ہے کہ دین میں غلو (انتہا پسندی) سے بچو کہ تم سے پہلے کی قومیں اسی غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

ایاکم و الغلو، انما ھلک کان قبلکم بالغلو فی الدین

آج کے حالات سے پہلو غلو فی الدین کا پورا مفہوم ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا مگر مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کے رب نے مستقبل کو حال کا ہم دوش بنا دیا تھا اور آنے والے واقعات ان کے سامنے اسی طرح کھلی کتاب کے اوراق کی طرح بن گئے تھے جس طرح آپ غزوۂ موتہ کے واقعات کو مدینے میں دیکھ رہے تھے۔ اللہ ماضی، حال اور مستقبل کا جس قدر علم چاہتا ہے اپنے رسولوں کو عطا کر دیتا ہے۔ العلم عند اللہ۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں عملی زندگی کا کون سا ایسا پہلو ہے جس کا تعلق ہمارے انفرادی یا اجتماعی معاملات اور معاشرے کی تعمیر اور اسلامی اخلاق سے ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش نہ فرمایا ہو۔

میراث کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک تہائی مال (ترکے) سے زیادہ کی وصیت کا حق نہیں ہے۔ یہ حکم معاشرے میں ہم واری اور اعتدال کے لیے کتنا اہم ہے اس کا اندازہ مشکل نہیں۔

آج اخبارات میں ''عاق'' کے کتنے ہی اعلانات اور اشتہارات شائع ہوتے ہیں اور ان لوگوں کو خبر نہیں کہ یوں ''عاق'' کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں کہ کسی وارث کو اس کے حصے سے محروم کر دیا جائے یا کسی کی جائیداد کسی کے نام منتقل کر کے، دوسرے جائز وارثوں کو محروم کر دیا جائے۔

آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں مسلمانوں کو اللہ کے نام پر جھوٹی قسمیں کھانے سے منع فرمایا، صدقہ دینے کا حکم دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے بارے میں ہدایت فرمائی کہ ''علم میں سے جو کچھ ممکن ہو حاصل کر لو اس سے پہلے کہ علم سمیٹ لیا جائے اور تمہارے درمیان سے اٹھا لیا جائے۔'' علم کے بارے میں آپ کا یہ قول حق ہے اگرچہ اس کا پورا مفہوم ہم پر روشن نہیں ہے۔ علم کے ختم ہونے کی ایک صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ علم کے جاننے والے ختم ہو جائیں۔ اسوہ حسنہ نبوی اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات ذہن میں آسکتی ہے کہ اسلام میں علم، نور ہے اس لئے یہ ایک عملی شے ہے جس کا اظہار انسان کے اخلاق و کردار سے ہوتا ہے۔ یوں علم کے حقیقی وارث صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے جن کی رفتار و گفتار، نشست و برخاست، ہر سرگرمی علم اور روشنی تھی۔ ان کے بعد اخلاقِ نبوی اور علم نبوی سے مستفید ہستیوں سے دنیا محروم ہوگئی۔ لیکن قرآنی تعلیمات، خیر خواہی اور جماعت سے وابستگی کی صورت میں علم جاری رہا۔ عہدِ صحابہ کی اہمیت مسلم ہے مگر تاریخ کا تسلسل اور مستقبل میں اسلامی معاشرے میں علم کا اجرا منشائے خداوندی کے عین مطابق تھا۔

علم کے اٹھائے جانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ لوگ ظنی اور تخمینی علوم کے پیچھے لگ جائیں اور علم کا تصور اور مقصد ہی بدل جائے۔ ہمارا دور جسے درس گاہوں، تجربہ گاہوں اور تحقیقی مراکز سے وابستہ لوگ علم اور روشنی کا دور قرار دیتے ہیں، دراصل علم کے حقیقی مفہوم اور علمی اہداف سے بہت دور ہو گیا ہے۔ علم کا تعلق انسان سازی، علم و عمل کے رشتے اور مادی ترقیوں کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی ترقیوں اور اعلیٰ اقدارِ حیات کے ساتھ تھا۔ اب علم کا رشتہ صرف معاش اور پیٹ سے وابستہ ہو گیا ہے۔ پہلے وہ علم افادی علم کہلاتا تھا جو ہمیں بہتر انسان بنا دے اور معاشی ترقیوں کے جلو میں ہمیں تعمیرِ ذات سے بے خبر نہ ہونے دے۔ آج علم کا معیار یہ ہے کہ وہی علم اور علوم افادی ہیں جن کے حصول سے زیادہ سے زیادہ تنخواہ اور معاشی فوائد حاصل ہو سکیں۔ افادیت کا تصور انسانی سطح سے محروم ہو چکا ہے۔ علم کا کوئی علاقہ اقدار سے باقی نہ رہا۔ آج معلومات کو علم کہا جا رہا ہے۔ یہ علم و آگاہی کا دور نہیں بلکہ معلومات کا دور Age of

information ہے۔ یہ علم کے اٹھ جانے کی ایک صورت ہے۔

''علم اور آگاہی کا یہ دورِ جدید'' اپنے خود ساختہ معیاروں کا ایسا اسیر ہے کہ اس نے وحی الٰہی سے منہ موڑ لیا ہے اور ایک نئی 'فرعونیت'' کو جنم دیا ہے۔ آج کے علوم کے لبوں پر یہی نعرہ ہے کہ انا ربکم الاعلیٰ۔ ابلیسیت تکبرِ علمی کو کہتے ہیں۔ آج خدا ناآشنا علم نے جو روشنی پھیلائی ہے اسے جگر مرادآبادی کی وضع کردہ اصطلاح ''جہلِ خرد'' اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔

جہلِ خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انساں، بڑھ گئے سائے

اعلیٰ اقدارِ حیات کو ٹھکرانے والے انسان سائے سے زیادہ کچھ اور نہیں۔ علم کے اٹھ جانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ علم کی خالی جگہ پر جہلِ خرد براجمان ہو گیا ہے۔ اس علم کو 'دانشِ برہانی'' بھی کہا جا سکتا ہے اور یہ دانشِ برہانی دانشِ نورانی یعنی وحی کی روشنی سے تہی دامن ہے اور اس کی پیروی کرتے ہوئے آج کا انسان ''حیرت کی فراوانی'' میں گم ہے۔ جدید علم کا کوئی ساحل نہیں ہے۔

اور انسان کو ساحل مراد پر کتاب اللہ ہی پہنچا سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے اٹھائے جانے کی خبر دینے کے بعد ہمیشہ قائم رہنے والے علم (جو عمل کے راستے پر انسان کی رہبری کرتا ہے) کا سراغ ان الفاظ میں عطا فرمایا۔

> لوگو! میری بات سنو۔ میں نے سب کچھ تم کو پہنچا دیا ہے۔ میں نے تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، اور وہ چیز ہے کتاب اللہ۔
>
> میں نے تمہارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر تم ان سے وابستہ رہے اور ان کو مضبوطی سے پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ روشن اور مبین اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی سنت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ''کتاب اللہ'' کا ذکر فرمایا تا کہ قرآن حکیم کی اساسی اہمیت سننے والوں کے سامنے رہے اور اس کے بعد آپ نے ''کتاب اللہ'' اور سنتِ رسول اللہ کا یوں ذکر فرمایا کہ ان کا رشتہ ہمیشہ کے لیے واضح ہو جائے۔ اللہ کے رسول نے اللہ کی تعلیمات کو انتہائی تکمیل کے ساتھ عمل کے قالب میں ڈھال کر اہلِ ایمان کی راہیں روشن فرما دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قرآن ناطق کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ نے ہمیں عقائد، عبادات اور دائمی اصول عطا فرمائے اور اپنی ذات و اخلاق سے

ان پر عمل کے راستوں تک رہبری فرمائی۔ نماز وہی نماز ہے جو آپ کی نماز سے مطابقت رکھتی ہو، زکوٰۃ کے آداب وطریقہ، وہ ہے جو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی مہر لگی ہو۔ حج کے مناسک اللہ کے رسول حجۃ الوداع میں سوا لاکھ سے زیادہ انسانوں کے سامنے پیش فرما کر قیامت تک کے لیے اہل ایمان کے لیے نبوی میراث کے طور پر چھوڑ گئے۔

تیئس سال تک اللہ کی جو ہدایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی صورت میں آئیں آپ کا خطبۂ حجۃ الوداع ان کا حاصل وخلاصہ ہے۔

خطبے کے اختتامی جملے امت سے اللہ کے رسول کی رخصت کا سندیسہ بھی ہیں۔ ہر ایک لفظ رسول اور امت کے باہمی رشتے کی محبت کا اظہار ہے اور دل کی طرح دھڑک رہا ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ سے شہادت طلبی بھی ہے اور دعوت کی تکمیل کا اعلان بھی۔ آپ نے حجۃ الوداع کے شریک صحابہ کرام اور قیامت تک کے آنے والے امتیوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔

> میں حوضِ کوثر پر تم سے پہلے پہنچوں گا اور تمہاری کثرتِ تعداد کی بنا پر دوسری امتوں کے مقابل تم پر فخر کروں گا۔ تم میری رسوائی کا سبب نہ بن جانا۔
>
> خبردار! میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔
>
> دیکھو! تم نے مجھے اچھی طرح دیکھ بھی لیا ہے اور مجھ سے (اپنے دین کی فلاح کی) باتوں کو اچھی طرح سن بھی لیا ہے۔ تم سے عنقریب (اور میرے بعد) میرے متعلق پوچھا جائے گا (تو تم صداقت کے ساتھ میری باتیں پوچھنے والوں کو بتا دینا) جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا (اور میرے نام سے گڑھ کر باتیں لوگوں کو بتائیں) وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔
>
> جو یہاں (میدانِ عرفات) میں موجود ہے وہ میری یہ باتیں غیر حاضروں تک ضرور پہنچا دے۔ شاید بعض ایسے لوگ یہاں موجود لوگوں سے زیادہ سمجھ دار ثابت ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں اپنی امت کے سپرد تبلیغ اور اشاعت دین کا فریضہ کر دیا۔ آپ کا یہ خطبہ آپ کی حیاتِ رسالت کی تعلیم کا نچوڑ (کتاب اللہ) کا خلاصہ ہے اور موقع کی مناسبت سے آپ نے اس خطبے کے مفاہیم اور ہدایات کا ذکر فرمایا اور منشائے نبوت واضح ہے کہ جس مسلمان کے پاس اللہ کے دین کی کوئی بات موجود ہو وہ اپنے بھائی تک بغیر کسی ملاوٹ کے پہنچاوے اور بغیر اس طرح کہ اپنے میلان اور رائے کو شامل کرے۔ پھر آپ نے یہ نکتہ بھی ارشاد فرمایا کہ علم دین اور بالخصوص علم حدیث مستقبل میں بھی جاری رہے گا اور ہم نے دیکھ لیا کہ کس طرح احادیثِ نبوی کو بعد کے

ادوار میں چھانا پھٹکا گیا۔ روایت اور درایت کے کیسے مستحکم اصول وضع کئے گئے۔ کس طرح قرآن وحدیث میں مطابقت قائم کرنے کے فن (تطبیق) کو درجۂ کمال تک پہنچایا گیا۔ اسماء الرجال کو کیسی مضبوطی کے ساتھ قائم کیا گیا ہے۔ اسماء الرجال علم سے دوسرے مذاہب، تہذیبیں اور علمی روایات محروم ہیں۔ اور یہ بات بھی ہمارے سامنے ہے کہ قرآنی تعلیمات کی طرح احادیثِ نبوی کے بعض پہلو صدیوں کے بعد ابھر کر سامنے آئے اور نئے احوال وحالات میں ارشاداتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی رہنمائی کی۔

اور خطبہ ختم کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ اپنے رب سے مخاطب ہوئے اور انہوں نے اپنے آپ کو رحمۃ للعالمین' کافۃ للناس' آخری رسول بنانے والے سے کہا:

اے اللہ! میں نے تیرا پیغام دین انسانیت تک مکمل طور پر پہنچا دیا یا نہیں

اور پھر آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوئے:

کیا میں نے اللہ کا دین تم تک اچھی طرح نہیں پہنچا دیا؟

یہ وہ مرحلہ تھا جب کامل ترین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کارِ رسالت کی تکمیل پر ان لوگوں کی گواہی طلب کی جن پر آپ رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سابقون الاولون کے سامنے ۲۳ سال کی جدوجہد کا ہر لمحہ تھا۔ وہ ان لمحات کو، اپنے تصور کو ایک لمحہ میں دہرا گئے۔ ہر واقعہ مجسم ہو کر سامنے آ گیا۔ بعد میں ایمان لانے والے بھی آپ کی کاوشوں اور اخلاقِ کریمانہ کے گواہ تھے مکۂ معظمہ میں خون کے پیاسوں کی معافی، غزوہ حنین میں آپ کا استقلال، آپ کی بے مثال فیاضی، آپ نے مالِ غنیمت جس طرح تقسیم کیا اس نے مانگنے والوں اور لینے والوں کو دنگ کر دیا۔ آپ نے بے طلب دیا اور اتنا دیا کہ دامنوں میں جگہ نہ رہی۔ عرفات کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت طلبی پر آنکھ بھیگ گئی اور ہر لب پر اقرار واعتراف کے کلمے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس اب آسمان کو دیکھ رہا تھا، آپ کی انگشتِ شہادت بلند ہوئی اور لوگوں کی اس گواہی پر آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔

اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا۔

آفرینشِ کائنات کے دن سے ۹ ذی الحجہ ۱۱ھ تک آسمان اور زمین ایک دوسرے سے اتنے قریب تر نہ ہوئے ہوں گے جتنے قریب وہ حجۃ الوداع کے یوم عرفات کی اس شام ہوئے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب قدیر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ ہمارا رب ہر قیدِ زمانی، مکانی سے بالاتر ہے کیونکہ وہ زمان ومکان کا خالق ہے مگر ہماری زبان ہماری عقل اور ہمارے تخیل

کی طرح محدود ہے اور جب اپنی حدود میں ہم اس شام اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے امتیوں کے حال کی طرف اللہ کے رجوع ہونے کے بارے میں سوچتے ہیں تو یہی پیرایۂ اظہار پیدا ہوتا ہے۔

اور اپنے رسول کے خطبہ کو اپنے پیغامات کا خلاصہ اور تکملہ قرار دیتے ہوئے رب کائنات جل جلالہٗ نے یہ کلمات توثیق کے لیے نازل فرمائے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۱۹)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور اسلام کو تمہارے دین کے طور پر پسند کر لیا (قبول کر لیا)

خطبۂ حجۃ الوداع اپنے اختتام کو پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وقوفِ عرفات میں مصروف تھے لبوں پر دعائیں جاری تھیں، سینوں کے زیر و بم سے میدانِ عرفات میں ارتعاش سا تھا، قرب الٰہی ایک زندہ احساس کی طرح صحابہ کرام کے نفوسِ مقدسہ کو ملکوتیت کے سانچے میں ڈھال رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف تو اللہ جل جلالہٗ کی معیت کے انوار کی تابانیوں میں جگمگا رہے تھے اور دوسرے طرف اس مجمع میں شامل اور شریک تھے جس کا ہر فرد ان کی تعلیمات کا مثالی نمونہ اور اپنے صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا آئینہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہو رہی تھیں اور وہ وحی کا بوجھ برداشت نہ کر سکی۔ یہ سب کچھ آپ کے وہ مقرب صحابہ دیکھ رہے تھے جو نزولِ وحی کی اس علامت اور کیفیت کو خوب جانتے تھے۔ یہ قبولیت دعا کی گھڑی تھی اور آج بھی مسلمان میدانِ عرفات میں قبولیت کے کامل یقین کے ساتھ اپنے رب کے حضور اپنی التجائیں پیش کرتے ہیں۔ یہ احکام سے متعلق آخری آیت تھی جو نازل ہوئی۔ اس کے بعد جو چند آیات نازل ہوئیں ان کا تعلق عبادات، بشارتوں سے ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیاسی دن اس دنیا میں رہے یہاں تک کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو

زمانہ خالی شد از محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۲۰)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تین انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی امت کو عطا کئے گئے۔

۱۔ اکمال دین مسلمانوں اور ان کے وسیلے سے انسانیت کو تمام فرائض، قوانین، آداب اور حدود عطا کر دی گئیں۔ اب جو نئے مسائل اور اس سے متعلق احکام سامنے آتے ہیں اور آئیں گے وہ کتاب اللہ

سے اخذ کئے جائیں گے۔ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے لیکن اجتہاد کی اساس اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہے اور رہے گی۔ قانون کا مقصد نفسِ انسانی کی بالیدگی، تجزیے اور اخلاق کا نشوونما ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو ضابطۂ اخلاق عطا کیا ہے اس کی عنایت یہی ہے کہ شاید تم تقویٰ اختیار کرو۔ حب الٰہی اور خوفِ الٰہی کی بنیادوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کی تربیت فرمائی اور آج حیاتِ نبوی اور صحابۂ کرام کی زندگیاں قیامت تک کے لیے ہمارے لیے روشنی کا مینار رہیں گی۔

اکمالِ دین کے بعد اس آیت میں رب العزت نے اتمامِ نعمت کا ذکر فرمایا ہے۔ دین کے اکمال سے بڑھ کر نعمت کی تکمیل اور کہاں ہوتی ہے۔ اور نعمت کی تکمیل صحابہ کرام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور اتمامِ نعمت ان کا اجتماعی تجربہ تھا۔

انہوں نے دیکھا کہ کس طرح کفر کے جتھے پسپا ہوگئے، کس طرح بت سرنگوں ہوگئے اور کس طرح خانہ کعبہ اور انسانوں کے دل ان بتوں سے پاک کردیئے گئے اور کس طرح رب العلیٰ کے نام کا غلغلہ بلند ہوا اور کس طرح اللہ کے نام کے ساتھ اس کے رسول کے ذکر کو رفعت حاصل ہوئی۔ نعمت کا اتمام یہی ہے کہ اس کی غایت مکمل ہوگئی اور کائنات کی اسکیم اسی نعمت کے اتمام سے مکمل ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کائنات کے منصوبے اور اسکیم کا خالق ہے دین کی نسبت مسلمانوں اور انسانوں کی طرف کی اور اتمامِ نعمت کی نسبت اپنی طرف کی۔ اب یہ فریضہ مسلمانوں کے ذمے ہوگیا کہ وہ اپنے اعمال وافعال، کردار وگفتار کے ذریعے دینِ حق اور اس کی برکات عالمِ انسانی کے سامنے پیش کریں اور اس کے نتیجے میں اس نعمت کے ثمرات کو مرتب کرنا باری تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنے ذمہ لے لیا۔ ویسے بھی کوشش انسان کے ذمہ ہے اور اس کے نتائج اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔

اس آیت میں ختمِ نبوت ورسالت کی طرف بھی واضح اشارہ موجود ہے۔ انسانوں کے لیے اللہ کا دین پہلے رسول کی بعثت سے اسلام ہی تھا۔ اسلام ہر عہد کے انسانوں کی ضروریات، ان کے فہم اور عملی صلاحیتوں کے اعتبار سے کامل تھا۔

جیسے جیسے انسان کی عقل، اس کے معاشرے اور زندگی کے تقاضوں میں وسعت آتی گئی، ویسے ویسے بعد کے ادوار کے نبیوں اور رسولوں کے پیغام کی حدود میں احکام اور مسائل کا اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مسعود میں انسانی زندگی کے سارے امکانات اور عقلِ انسانی کی قوتِ اخذ مکمل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قائم کردہ حدود اور احکام کے دائرے میں ہر آنے والے دور کی

تفصیلات کے باب میں انسان کو آزادی عطا کردی اور یہ اعلان فرمادیا کہ ہم نے تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر منتخب کردیا۔ یوں رسالت کی ضرورت باقی نہیں رہی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نبوت کے ادارے کے لیے ''مُہر ربانی'' بن گئی۔

معتبر روایات کے مطابق سورۃ النصر بھی حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ سورہ النصر کا ایک نام سورہ التودیع ہے۔ تودیع کے معانی ہیں کسی کو رخصت کرنا۔ حجِ وداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبات ارشاد فرمائے ان میں آپ نے اس دنیا سے جلد رخصت ہونے کا ذکر ضرور فرمایا۔ یہ آخری مکمل سورتؑ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ O وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًاO فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًاO (۲۱)

اللہ کی نصرت اور فتح آچکی اور آپ نے لوگوں کو جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا، پس اپنے رب کی تسبیح اور تحمید کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے، بیشک وہ معاف کرنے والا ہے۔

عرب کے سارے قبائل قریش کے ساتھ اسلام کی آویزش کو دیکھ رہے تھے۔ وہ دس سال کے واقعات سے اور مسلمانوں کی فتح سے اور ان کے اخلاق واحوال کو دیکھ کر ان کے حق پر ہونے کا یقین کر چکے تھے اور اب انہیں قریش کے انجام کا انتظار تھا۔ فتح مکہ کے بعد عرب قبائل فوج در فوج، جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ صرف یمن سے سات سو افراد کا قافلہ مدینہ منورہ پہنچا اور اس شان سے کہ یہ لوگ راستے میں اذانیں دیتے رہے، نمازیں ادا کرتے رہے اور قرآن حکیم کی تلاوت سے فضاؤں کو روشنی بخشتے رہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب اپنے وطن ہی سے اسلام قبول کر چکے تھے، اسلامی عبادات ادا کررہے تھے اور قرآن حکیم سے اپنے ذہن اور عمل کا رشتہ مضبوط کر چکے تھے۔

مقصدِ رسالت پورا ہو چکا تھا۔ انسانیت کا سفینہ ساحلِ مراد تک پہنچ چکا تھا۔ انسان کا رخ توحیدِ الٰہی کی طرف مڑ چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام نشانیاں دیکھ رہے تھے۔ اب آپ کا قلبِ مطہر لقائے رب کے لیے بے قرار تھا۔ اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں دس دن کی جگہ بیس دن کا اعتکاف فرمایا اور جبرائیل امین کے ساتھ قرآن مجید کے ایک دورے کی جگہ دو دورے مکمل ادا کئے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق تسبیح، تحمید اور استغفار میں کثرت اور شدت آگئی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں پر سبحان اللہ وبحمدہٖ استغفر اللہ واتوب الیہ کے کلمات اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور سوتے میں

جاری رہتے اور ہر نماز کے بعد ضرور یہ دعا فرماتے **سبحنک ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی** اسی کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور توجہ بھی بہت بڑھ گئی۔ محبت و رحمت کے اس سمندر کی کوئی انتہا، حد اور تھاہ نہیں تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیح و تحمید و استغفار سے یہ نکتہ اور بھی روشن ہو گیا کہ اخلاق و نفوس انسانی کی تطہیر و تزکیہ اور اسلام کے غلبے کا رشتہ فتوحات سے نہیں بلکہ اخلاق حسنہ سے ہے جس کی تکمیل کے لیے محمد ﷺ کے رب نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا۔

سلام ان پر ، درود ان پر

رفیق اعلیٰ۔ ملاقات کے لیے بے قراری

حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جامع العبادات (حج) کے مناسک کی تعلیم دی۔ سفر کے پڑاؤ پر اسلامی اخلاق اور حسنِ معاملہ کی تعلیم دی، عرفات میں ان کے رب نے ان کو دین کے اکمال اور اپنی نعمتوں کے اتمام کی نوید سنائی اور آپ کو اپنی ملاقات کے مژدے سے نوازا۔ اب اس خاک داں میں آپ کا کام مکمل ہو گیا تھا۔ اب مدینہ منورہ میں ایک طرف تو آپ صحابۂ کرام کی تربیت میں مصروف تھے اور دوسری طرف آپ کی راتیں اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے میں گزر رہی تھیں۔ تسبیح و تحمید و استغفار میں عبدیت کے تمام رنگ، تمام ادائیں جھلک رہی تھیں۔ اختتام سفر پر آپ کو اپنے ساتھی، جانثار شدت سے یاد آ رہے تھے جنھوں نے اپنی جانیں دے کر اللہ کی توحید اور خاتم الانبیاء کی صداقت کی گواہی دی تھی۔ انہیں کا مقدس لہو اسلام کے باغ کی بہار بن گیا۔ آپ احد تشریف لے گئے، حضرت حمزہ اور شہدائے احد کے لیے دعا کی اور جلد ہی ملنے کے وعدے کے ساتھ ان کو الوداع کہا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ خطبے دیتے رہے، داعی الی اللہ اپنے فریضے سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہوا۔ ایک خطبے میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

> اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ چاہے وہ دنیا کو اپنے لیے پسند کر لے اور چاہے تو اس چیز کو جو اس کے لیے اس کے رب کے پاس ہے، سو اس بندے نے اپنے لیے وہی کچھ پسند کر لیا جو اس کے لیے اس کے رب کے پاس ہے۔

یہ اندازِ کلام، اشاریت اور اپنے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکسار تو دیکھیے، رمز شناسِ نبوت اور مزاج دانِ رسول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، ان کلمات کو سن کر رونے لگے۔ حضرت ابوسعید

خدری کو صدیق اکبر کے رونے پر تعجب ہوا مگر کچھ ہی دنوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی کہ اللہ کے ایک بندے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اپنی ذاتِ اقدس کی طرف تھا اور ابوبکر ہم سب سے زیادہ صاحب علم وفہم تھے۔

ایک رات سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوجیبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بقیع تشریف لے گئے اور اہلِ بقیع سے الوداعی کلمات فرمائے ''اے اہلِ قبور! تم پر سلام ہو۔ تم جس حال میں ہو وہ اس حال سے کہیں بہتر ہے جس میں دنیا والے ہیں۔ فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح بڑھ رہے ہیں'' پھر آپ نے اہلِ بقیع کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ یہ انسانی اخلاق اور بے غرضی کی معراج ہے کہ اپنے ساتھیوں اور عزیزوں کو کسی مرحلے پر فراموش نہ کرنا۔ اسوۂ حسنہ نبوی سے صرف میدانِ کارزار میں استقامت کا سبق نہیں ملتا بلکہ انسانی تعلیمات میں استقامت اور استقلال ایک اہم اخلاقی صفت ہے۔ اس سلسلے میں انصار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقِ خاطر کی بات آگے آئے گی۔

۲۹ صفر ۱۱ھ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے کے ساتھ جنت البقیع تشریف لے گئے اور آپ نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں گہرائی پیدا کرنے کے لیے نہایت قیمتی اور بیش بہا اخلاقی روایات ہمارے لئے چھوڑی ہیں جن پر عمل کرنے سے اسلامی اخوت ایک مشہور رشتے کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اپنے مسلمان بھائی کی دعوت کو قبول کرنا آپ کی سنت ہے، مسلمان کی عیادت کو اسلامی نظام اخلاق میں عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ مسلمان کی نماز جنازہ اور تجہیز وتدفین میں شرکت عبادت ہے۔ جنازے سے واپس ہوتے ہوئے آپ کے سرِ مبارک میں درد شروع ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ حرارت بھی بڑھتی گئی۔ اور تیز بخار میں بدل گئی۔ آپ کے سر پر پٹی باندھی گئی اور پٹی کے اوپر ہاتھ رکھنے سے بخار کی شدت کا اندازہ ہوتا تھا۔ پیشانی اور گلوئے رسول کی رگیں ابھر آتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت میں ہر دن اضافہ ہوتا گیا۔ مرض الموت کی مدت دو ہفتے تھی اور آپ نے اس شدید اذیت اور تکلیف میں کوئی گیارہ دن نماز کی امامت فرمائی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ الصلوٰۃ معراج المومنین اور آخری ایامِ حیات میں اس قول پر اپنے عمل کی مہر بعنوان جلی ثبت کر دی۔ یقیناً تنہا اور پھر اپنے گھر میں نماز پڑھ کر مسلمان اس فریضہ کو تو ادا کر دے گا، لیکن نماز کی غایت بدرجۂ احسن پوری نہیں ہوگی۔ نماز اللہ سے مسلمان کی سرگوشی بھی ہے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ وابستگی کا راستہ بھی اور الحب اللہ کی تفسیر بھی۔ اپنے اصحاب کی معیت ورفاقت اور ان کی تعلیم وتربیت کا فریضہ آپ امامتِ جماعت اور اپنے مختصر خطبات کے ذریعے اپنی زندگی کے آخری ایام تک ادا فرماتے رہے۔ ہمارے ماں

باپ آپ پر قربان ہوں۔

علالت بڑھتی جارہی تھی مگر نماز کی امامت کے ساتھ ازواجِ مطہرات کے ساتھ عدل کا خیال ہر لمحہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتا۔ آپ ہر دن دریافت فرماتے کہ کل کس کی باری ہے؟ کل میں کس کے حجرے میں رات گزاروں گا۔ جسمانی طاقت آپ کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔ چند قدم چلنا آپ کے لیے دشوار تھا۔ علالت کے آخری ہفتے کے آغاز میں امہات المومنین نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی تکلیف ہم سے برداشت نہیں ہوتی، آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ تعدادِ ازواج کے حامی اور مخالف دونوں اس باب میں عدل کے اس معیار، سطح اور اس کے تقاضوں پر غور کریں۔ زندگی کے ہر شعبے میں ''قیام عدل'' کو نہایت خوبی اور کمال کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دور میں آنے والے اپنے امتیوں کو عدل وقسط کی وسعتوں سے آگاہ فرمایا۔ قرآنِ حکیم نے بھی عدل کا یہ بلند تصور ہمیں عطا فرمایا ہے۔ کہ کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں جادۂ عدل سے نہ ہٹانے پائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ O (۲۲)

اے اہل ایمان! تم اللہ کے لیے حق پر قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ حق اور سچائی کے گواہ بن جاؤ۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں انصاف کے خلاف عمل پر آمادہ نہ کرے۔ عدل کیا کرو کہ وہ تقوے سے قریب تر ہے اور اللہ کا خوف (اور محبت) اختیار کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

قرآن مجید نے مختلف سیاق وسباق میں عدل پر زور دیا ہے اور ایسی آیات کی تفہیم کسی پس منظر اور شانِ نزول کی محتاج نہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور اخلاقِ کریمانہ کے علم سے ایسی آیات واضح تر ہو جاتی ہیں اور قرآن کریم کا ایک ایک لفظ آپ کے اخلاق کے پس منظر میں چمک اٹھتا ہے۔ ''شہداء بالقسط'' کو اس واقعے کے پس منظر میں بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر کے والد نے انہیں کوئی عطیہ دیا تو ان کی تقویٰ شعار بیوی نے کہا کہ میں اس عطیے پر اسی وقت راضی ہوں گی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر شہادت دیں گے۔ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ حضور کی شہادت حاصل کرنے کے لیے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اعدل للناس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ ''کیا تم نے اپنے سب بچوں کو ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟ جواب ملا نہیں، ہادیٔ نوعِ بشر ﷺ نے کہا ''اللہ سے ڈرو۔ اپنی اولاد کے

درمیان انصاف کرو میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا''۔ یہ واقعہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب صحیحین میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک طرف تو آپ نے اجتماعی معاملات میں اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کیا اور دوسری طرف اپنے ہر رشتے میں اسی معیارِ عدل کو برتا۔ بیماری کی شدت میں جب آپ پر ضعف کے سبب غشی طاری ہو جاتی تھی آپ نے ازواجِ مطہرات کے درمیان عدل کو قائم رکھا۔ اپنی مرضی کے مطابق کسی ایک جگہ رہنے کی اجازت جب ازواجِ مطہرات سے مل گئی تو آپ نے حضرت عائشہ کے حجرے کو اپنے قیام کے لئے پسند فرمایا۔ اس وقت مرض کا غلبہ تھا آپ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور پیر اٹھانا آپ کے لئے دشوار تھا۔ آپ کو حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنھما سہارا دیئے ہوئے تھے۔ یوں آپ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنھا میں تشریف لائے۔ اسی حجرے سے آپ نے اپنے رب جل جلالہ کی ملاقات کے لئے عالم جاوید کی طرف سفر کیا۔

وفات سے پانچ دن پہلے بخار کی شدت میں اور اضافہ ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مدینہ منورہ کے کئی کنوؤں کا پانی بخار کی تپش کم کرنے کے لئے آپ کے جسم اطہر پر بہایا گیا۔ حجرۂ عائشہ سے آپ مسجد نبوی میں اصحاب باصفا کو نماز کے لئے صف بندی کرتے اور نماز ادا کرتے دیکھتے تھے۔ صحابہ کرام کے دل و دماغ پر آپ کی بیماری کا خیال ہمہ وقت مسلط رہتا مگر نماز جماعت کے قیام میں کوئی اندیشہ حائل نہ ہوتا۔ انتہائی تنظیم کے ساتھ نماز کی ادائیگی ہوتی۔ کسی قسم کی ایسی آواز نہ سنائی دیتی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں کوئی تکدر پیدا ہوتا۔ جسم پر پانی ڈالنے سے آپ نے کچھ افاقہ محسوس کیا، بخار کی تپش کچھ کم ہوئی اور آپ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ کرام نے اپنی آنکھوں کی پیاس بجھائی۔ صحابہ نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے انتہائی تحمل کا مظاہرہ کیا۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ کے گرد صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمہ گوش اور ہمہ چشم بنے ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے بیٹھے ایک مختصر خطبہ دیا جس کا موضوع ''انبیا کی قبریں'' تھا۔ امم سابقہ اور بالخصوص اہلِ کتاب کی تاریخ، ان کی گم راہیاں اور بدعتیں آپ کے سامنے تھیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنا دیا۔ اب سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے۔ میری قبر کو تم بت نہ بنانا۔ آپ دنیا سے اپنے رخصت ہونے کا اعلان کر رہے تھے۔ آپ کے جاں نثار اپنی آہوں اور آنسوؤں کو روک رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کانوں سے دلوں تک سفر کر رہی تھی۔

موضوع گفتگو بدلتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہو تو اپنے

آپ کو پیش کرتا ہوں کہ وہ اس زیادتی کا بدلہ لے لے۔ صحابہ کرام نے کس طرح اپنے آپ پر قابو پایا اور ضبط کیا اس کی شہادت منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی دے رہا ہے۔ ایک صحابی نے کہا کہ آپ کے ذمے میرے تین درہم ہیں۔ صحابی کو اپنے درہم عزیز نہ تھے بلکہ یہ بات اس کے لئے گراں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کا احسان یا واجبات نہ رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل بن عباس کو تین درہم کی ادائیگی کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ منبر سے نیچے تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھائی۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ پھر منبر پر تشریف لائے اور انصار کے حقوق اور اسلامی معاشرے میں ان کی اہمیت کے بارے میں خطاب فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کو مسجد نبوی کی اس دوپہر میں فتح مکہ وحنین وہوازن کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد کے حضرت سعدؓ بن عبادہ کے خیمے میں آپ کے خطاب اور اپنی اشک فشانی کے مناظر یاد آئے ہوں گے۔ فرق تھا تو یہ کہ اس دن خطاب انصار سے تھا اور آج سب سے انصار کے بارے میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی نصرت کے سلسلے میں انصار کے ساتھ اور ان کی جاں فشانیوں کا جو احساس تھا اسی کے پیش نظر آپ نے فرمایا تھا کہ اب میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہے۔ اور اب جب دنیا سے آپ کے رخصت ہونے میں پانچ دن باقی تھے اپنی مسجد کے منبر سے آپ نے اعلان فرمایا:

> انصار میرے قلب وجگر ہیں۔ اسلام کی نصرت کے لئے انہوں نے اپنی ذمے داری اور فرائض پورے کر دیئے، مگر ان کے حقوق کی ادائیگی تمہارے ذمے باقی ہے۔ انصار کے نیک خصال لوگوں کی نیکیوں کا اعتراف کرنا اور ان کی خطاؤں کو نظر انداز کرنا۔ اب اہلِ ایمان بڑھتے جائیں گے مگر انصار کم ہوتے جائیں گے اور وہ کھانے میں نمک کی طرح رہ جائیں گے۔

اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں آپ انتہائی اختصار اور بلاغت کے ساتھ اہم نکات اور تعلیمات کو صحابہ کرام کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ امت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا یہ عالم تھا کہ بیماری کی تکالیف کو جیسے بھول گئے۔ یہ آخری ایام حیاتِ نبوی جیسے قیامت کے بعد میدانِ حشر میں امت کے ساتھ آپ کے تعلق کا دیباچہ تھے۔ وہ سخت ''دن جب ستارے ماند پڑ جائیں گے، آسمان پھاڑ دیا جائے گا اور پہاڑ دُھنک ڈالے جائیں گے'' (۲۳) سورج لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے بکھر جائیں گے، سمندر بھڑکائے جائیں گے (۲۴) اُس عالم میں جب رشتے ٹوٹ جائیں گے، کسی کو کسی کی خبر نہ ہوگی اور ہر ذی نفس ''نفسی نفسی'' میں مبتلا ہوگا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں پر ''امتی امتی'' کا نغمہ ہوگا اور

یہی نہیں انبیائے ماسبق اپنی امتوں کی بخشش کے لئے آپ کی سفارش طلب فرمائیں گے۔

آپ کے اس خطبے اور امامت کا واقعہ بدھ ۷ ربیع الاول کا ہے۔ ۸ ربیع الاول سے آپ کی تکلیف اور بڑھ گئی۔ حجرہ عائشہؓ میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم، دوسرے عزیز اور بعض صحابہ کرام بھی آپ کی مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوتے رہے اور آپ کی تلقین، ہدایات اور وصیتوں کا سلسلہ جاری رہا، آپ نے مدینہ آنے والے وفود کے اکرام اور ان کی تواضع کی وصیت کی، زیردستوں کے حقوق کی مسلسل توجہ دلاتے رہے۔ جمعرات ۸ ربیع الاول تک آپ مسجد نبوی میں نمازوں کی امامت فرماتے رہے۔ ۸ ربیع الاول کو مغرب کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہا اس نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں سورۂ مُرسلات کی تلاوت فرمائی۔ اس سورت میں قیامت کی ہولناکی کا ذکر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خیرخواہی بے کراں اور بے پایاں تھی۔ آپ کی ساری جدوجہد کا مقصد مومنوں کو کامراں دیکھنا تھا۔ اس دنیا میں غلبۂ دین کی صورت میں اور قیامت کے دن ہر ہول، خوف اور امتحان سے گزر کر جنت میں داخلے کی صورت میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلامِ ربانی کی آیات کے ذریعہ جماعتِ صحابہ کو قیامت کی یاد دلائی۔ رسول کی حاضری کا وقت جب جھٹلانے والوں کی تباہی اُن کے اور سب کے سامنے ہوگی، اس دن آگ کی لپٹیں کافروں کے لئے محل جیسی اونچی اور بلند ہوں گی اور چنگاریاں یوں نظر آئیں گی جیسے زرد اونٹ اچھل رہے ہوں۔ لیکن عشاء کی جماعت کی امامت کے لئے مسجد تشریف نہیں لے جاسکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین مرتبہ اٹھنے اور مسجد جانے کی کوشش کی لیکن غشی طاری ہوگئی۔ اور اُدھر جماعتِ صحابہ مسجد میں آپ کا انتظار کررہی تھی۔ آخر میں آپ نے کہلا بھیجا کہ حضرت ابوبکر نماز پڑھادیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے صدیق نے حکمِ رسول کے مطابق امامت کی ذمے داری اٹھالی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں وہ جامعیت اور کاملیت ہے جو ایک معجزہ ربانی ہے۔ دین کامل ہو چکا تھا، اللہ کی نعمت تکمیل کو پہنچ گئی تھی، اللہ کا پیغام آپ نے عالمِ انسانیت کے سامنے عملی طور پر پیش کردیا تھا مگر امت سے آپ کا تعلق خاطر اُن اعمال کی شکل اختیار کررہا تھا کہ اگر مسلمان حیاتِ طیبہ کے آخری ایام کو اپنے سامنے رکھے تو اس کی دنیا اور آخرت کو سنوارنے کے لئے کافی ہیں۔ معمارِ اعظم اپنی بنائی ہوئی عمارت کو دیکھ رہا تھا اور عمارت (نظامِ امن) کے ایک زاویہ اور گوشہ کو نظر میں رکھ کر امت کی سمت نمائی کررہا تھا۔ اہم الفاظ، ہدایات اور اعمال کی تکرار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ ثابتہ ہے۔

ان آخری دنوں میں سربراہِ مملکتِ اسلامیہ کی حیثیت سے آپ نے لشکرِ اسامہ (رضی اللہ عنہ) کی روانگی کا حکم دُہرایا۔ یہ وصیت اسلامی اخوت کی عظیم روایت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر تھی۔ مہاجرین اور قریش کے اکابر موجود تھے، عظیم القدر انصار سپہ سالار بھی مسلمانوں کے درمیان تھے۔ اس کے باوجود ایک ''غلام زادے'' کو سالارِ لشکر بنایا عربوں کی نسلی عصبیت کو ختم کرنے کے لئے ضروری تھا تاکہ وقت ہمیشہ اس حقیقت کا شاہد رہے کہ اگر برتری کی کوئی بنیاد ہے تو وہ تقویٰ ہے اور یہ بھی لوگوں کے سامنے رہے کہ اپنے اولوالامر کی اطاعت کس طرح کی جائے؟ اور ''سمع وطاعت'' کی حدود متعین ہو جائیں۔

وفات سے ایک یا دو دن پہلے سنیچر یا اتوار کو آپ دو صحابیوں کا سہارا لے کر مسجدِ نبوی تشریف لے گئے۔ ظہر کی نماز حضرت ابوبکر کی امامت میں ہو رہی تھی۔ نماز میں خشوع اور یک سوئی کے رازداں صحابہ کرام کا دھیان نماز میں تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت فکر اور احساس پر حاوی تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کو سہارا دینے والے صحابیوں کی آمد نمازیوں اور اُن کے امام کو کیسے اپنی طرف متوجہ نہ کرتی۔ استغراقِ عبادت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام، ان کے ایمان کے لئے کسوٹی تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق آپ کو دیکھ کر امام کی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی جگہ ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ اور آپ کے حکم پر دونوں ہمراہیوں نے آپ کو صدیق اکبر کے بائیں طرف بٹھا دیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی امامت فرما رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر اقتدا کر رہے تھے اور رکوع و سجود کی تکبیریں دوسرے مقتدیوں تک پہنچا رہے تھے۔ نماز کی امامت، معاشرے اور ریاست کی امامت کا اشاریہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک میں دونوں امامتیں یک جا تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل نے آپ کے بعد دونوں امامتوں کی یک جائی کا نکتہ روشن کر دیا۔ بلاشبہ ابوبکر صدیق خلیفۃ الرسول بلافصل ہیں۔ دوسرے خلفائے راشدین حضرت صدیق ایک دوسرے کے خلیفہ ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور اس سے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے مفہوم پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، نماز ایمان اور کفر کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ نماز مسلمان اور اس کے معاشرے کو فواحش اور منکرات سے بچاتی ہے، نماز کی صف بندی معرکۂ حیات میں اہلِ ایمان کی صف بندی ہے، اللہ کے رسول نے دنیا سے جاتے جاتے نماز کے سارے پہلوؤں کی معنویت کو روشن کر دیا۔ وفات کے دن یعنی ۱۲ ربیع الاول کو جب مسجدِ نبوی میں فجر کی نماز ہو رہی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم حضرت صدیق کی اقتدا میں صف بستہ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

عائشہ کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور اس منظر کو دیکھا کہ مسلمانوں کے رکوع وسجود سے وہ سحر پیدا ہو رہی تھی جس سے کائنات ہمیشہ روشن رہے گی۔ آپ کے لب ہائے مبارک پر تبسم کی کرن پھوٹی، وہ کرن آج بھی مسجدِ نبوی میں نماز ادا کرنے والوں کے مقدر کو جگا رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاطر مطمئن کے ساتھ حجرے کا پردہ گرا دیا۔ یہ آخری نماز تھی جس کا آپ نے مشاہدہ کیا اور جو آپ نے حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا میں ادا فرمائی۔

ایک طرف تو امت کا اس درجہ خیال، ازواجِ مطہرات کے حقوق کی دمِ آخر تک ادائیگی اور دوسری طرف اپنی بیٹی اور اس کے بچوں کے ساتھ آپ کی محبت۔ اس بیماری، بیماری کے شدائد میں ان کی محبتوں کا آپ نے اِس طرح حق ادا کیا کہ اگر مسلمان اُسے یاد رکھیں تو اُن کی گھریلو زندگی اعتدال وتوازن اور حسن کا نمونہ بن جائے۔ خوش گوار گھریلو اور عائلی زندگی کے بغیر انسان معاشرتی ذمہ داریاں حسن وخوبی کے ساتھ نہیں نبھا سکتا۔ جب دوشنبہ کو سورج بلند ہو گیا تو آپ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنھا کو اور حسن وحسین رضی اللہ عنھما کو بلا بھیجا۔ حضرت فاطمہ کو نوید سنائی کہ میری اور تمہاری جدائی چند روزہ ہے، یوں جنابِ فاطمہ کے غم کو خوشی میں بدل دیا اور انہیں عورتوں کی سیادت کی بشارت دی۔ سیدۃ النساء العالم۔ حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کو اپنی دعاؤں سے نوازا۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن کو تسلی دی اور وصیت کی اور اسی کے ساتھ ساتھ لبوں پر اللہ۔ رفیقِ اعلیٰ اور ''تمہارے زیردست'' کے الفاظ جاری رہے۔

آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی خواہش کا اظہار کیا۔ مسواک پیش کی گئی اور سخت تھی، سیدہ صدیقہ نے اسے اپنے منہ میں لے کر نرم کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی بہترین انداز سے۔ یہ رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کی تیاری تھی۔ آخر وہ لمحہ آ گیا جب دنیا آپ کے وجود پاک سے محروم ہو گئی۔ اس وقت آپ کا سر مبارک حضرت عائشہ کی ہنسلی کی ہڈی اور ٹھوڑی کے درمیان تھا فی الرفیق الاعلیٰ کے الفاظ آپ نے تین مرتبہ ادا کئے اور آپ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ جلوت میں ایسی خلوت۔ لوگوں کے ہجوم میں اپنے رفیقِ اعلےٰ سے یہ قربت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، انسان اور انسانیت کے لئے ایک معراج ہے۔ اور آپ کی مثال نے مدت کا کانٹا قلبِ مومن سے نکال دیا۔

سلام اس پر جس نے انسان کو سربلند فرمایا:

کاش ہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابدی محفل میں خاک روبی کی سعادت حاصل ہو۔

حوالہ جات

۱۔آل عمران:۵۹تا۶۴

۲۔البقرۃ:۲۵۶

۳۔النحل:۴۳

۴۔الحجرات:۴۔۵

۵۔الحجرات:۱،۲

۶۔الحجرات:۱۱

۷۔الحجرات:۱۲

۸۔مسلم:کتاب الایمان،رقم ۵۵

۹۔مسلم:ج ۴،ص ۱۸۲،رقم ۲۵۹۰

۱۰۔متفق علیہ

۱۱۔ریاض الصالحین:کتاب الامور المنھی باب التحریم الغیبة

۱۲۔القصص:۵۵

۱۳۔متفق علیہ

۱۴۔الحجرات:۹،۱۰

۱۵۔الحجرات:۱۳

۱۶۔التوبہ:۱تا۴

۱۷۔البقرۃ۔۲۰۱

۱۸۔ڈاکٹر نثار احمد/خطبہ حجۃ الوداع/بیت الحکمت،لاہور۔۲۰۰۵ء۔اس مضمون میں خطبۂ حجۃ الوداع کے تمام اقتباسات اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

۱۹۔المائدہ:۳

۲۰۔یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال تاریخ وفات ہے۔

۲۱۔النصر

۲۲۔المائدہ:۸

۲۳۔المرسلات:ابتدائی آیات

۲۴۔التکویر:ابتدائی آیات